



عمران سیر

انامتقابلہ  
سنگی

Pakistanipoint.com

Waqar  
Fizeem

صفدر ضیاء



عمران سپر نر ۱۰۵

سنچری کراس نمبر

# عمران بمبلا سنگ ہی

حصہ دوم

صفر شاہین

بک لینڈ، معصوم شاہ روڈ، ملتان ۲۱

کے خیال میں میرے ناول پڑھنے سے آلوچھوٹے اور فروٹ  
چاٹ پر رقم خرچ کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔  
بہر حال میری ہر قسم کے قارئین کے لئے یہی دعا ہے۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے  
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

نقطہ

آپ کا

صفر شاہین

آپریشن روم سے نکل کر عمران دوڑتا ہوا کپڑاؤں میں پہنچا تو  
جوزف یوں حیرت سے اُسے دیکھا جیسے عمران کا دماغ چل گیا ہو۔  
”باس — خیریت۔ اُس نے کہنا چاہا مگر عمران نے  
نے اُس کی بات کاٹ دی۔  
”شٹ اپ — گیٹ گسٹو —“ عمران کار کی طرف بھٹتا  
ہوا دھاڑا۔

اور جوزف بوکسلا کر گیٹ کی طرف دوڑ پڑا۔ عمران نے کار میں بیٹھ  
کر تیزی سے انجن اسٹارٹ کیا اور کار گیٹ کی طرف دوڑا دی جسے جوزف  
نے پھرتی سے کھول دیا تھا۔ عمران سڑک پر آیا اور پھر ایک سیلیٹر پر پاؤں  
کا دباؤ بڑھاتا چلا گیا۔ کار ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ سڑکیں تقریباً سنان

بی تھیں۔ اس تیز رفتاری کے عالم میں کوئی عمران کو دیکھتا تو اسے جنونی ہی سمجھتا۔

حقیقت میں عمران پر اس وقت جنونی کیفیت طاری تھی۔ اس کی ٹیم کا ایک ذہین اور جیالا مہر موت کے منہ میں تھا۔ صفدر کے بعد عمران سب سے زیادہ اہمیت کیپٹن بابر کو ہی دیتا تھا اور وہ اس اہمیت کے قابل بھی تھا۔ عمران کی ٹیم میں دو ہی تو ممبر ایسے تھے جنہیں عمران یکساں سروس کی جان سمجھتا تھا۔ اور وہ ممبر تھے صفدر اور کیپٹن بابر۔

کارٹونانی رفتار سے سیاہ چکنی سڑک پر دوڑ رہی تھی اور اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ عمران کا دماغ چل رہا تھا۔ یہ سوال اس کے ذہن پر بڑھوٹا بن کر برس رہا تھا کہ اگر کیپٹن بابر زندہ نہ بچا تو — — اس کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں سنگ ہی کے خلاف غم و غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

پندرہ منٹ کا فاصلہ اس نے پانچ منٹ میں طے کیا اور ایک چوک کو جانے والی سڑک پر مڑا تو تیز رفتاری کے باعث کار اٹٹے اٹٹے رہ گئی۔

اگر وہ فوری طور پر اسے سنبھال نہ لیتا تو ایک خوفناک حادثہ یقینی تھا۔ پارس چوک کے قریب پہنچنے پر ہیڈ لائٹس کی روشنی میں سڑک کے کنارے بڑا ہوا ایک بے حس و حرکت جسم دکھائی دیا۔ یقیناً وہ کیپٹن بابر ہی تھا۔ عمران نے تیزی سے بریک لگاٹے اور کار اس کے قریب جا روکی۔ پھر وہ دروازہ کھول کر کیپٹن بابر کی طرف جھٹکا جو خون میں لت پت پڑا تھا۔ عمران نے جلدی سے جھک کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ بہت معمولی دھڑکن تھی۔ وہ یہ ہوش تھا اور

اس کے جسم میں ابھی زندگی کی رمت باقی تھی۔ عمران نے کوئی لمبائی کیے بغیر اور اٹھایا اور کار کی عقبی نشست کے آگے فرش پر لٹا دیا۔ پھر وہ ڈرائیونگ سیدٹ پر بیٹھا اور تیزی سے گیس بدل کر کار آگے بڑھادی۔ اسی لمحے عقب سے کسی دوسری گاڑی کی ہیڈ لائٹس چمکیں مگر عمران نے پرواہ نہ کی۔

اس نے چوک سے جنرل اسپتال کو جانے والی سڑک پر کار موڑ لی اور ایک بار پھر تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑنے لگا۔ ساتھ ہی اس نے وایج ٹرانسمیٹران کر دیا اور بلیک زیرو کو کال کرنے لگا۔

”ہیلو طاہر — عمران کالنگ اور۔“

”ایس عمران صاحب —“ بلیک زیرو کی مضطر باز آواز سنائی

دی۔ ”کیا وہ زندہ ہے۔“

”ہاں — فی الحال۔“ عمران نے کہا۔ ”مگر نبض بہت سست

ہے۔ خون خارج ہو چکا ہے۔“

”کیا آپ آ رہے ہیں —“ بلیک زیرو نے پوچھا۔

”نہیں — تم فوراً جنرل اسپتال فون کر کے ڈیوٹی ڈاکٹر یا

سپرنٹنڈنٹ کو ہدایات دے دو۔ میں کیپٹن کو ادھر ہی جا رہا ہوں۔ انہیں

کہو کہ وہ آپریشن کی تیاری کر لیں۔“

”بہت بہتر —“ بلیک زیرو نے دوسری بات سے کہا۔

اور عمران نے وایج ٹرانسمیٹران کر دیا۔ چھ منٹ بعد وہ جنرل اسپتال

لے احاطے میں وال ہوا تو اسپتال کا عملہ اس کا منتظر تھا۔ دو آدمی

سہی تھیریلے برآمدے کے باہر کھڑے تھے۔ اُن کے ساتھ اسپتال کا  
نئی سرجنٹنٹ بھی تھا۔ عمران نے اُن کے قریب کار جا روکی اور اُتر آیا۔ اسٹریچر  
والوں کو اشارہ کرتے ہوئے اُس نے پچھلا دروازہ کھولا اور کیپٹن بابر کا جسم نکال  
کر اسٹریچر پر لٹا دیا۔ دونوں آدمی اسٹریچر اٹھا کر دوڑنے والے انداز میں  
آپریشن روم کی طرف چلے گئے۔ پسرٹنٹنٹ اور دوسرا عملہ بھی اُن کے ساتھ  
اندر کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ عمران برآمدے میں ٹہلنے لگا۔

ٹھیک اسی لمحے اسپتال کے گیٹ سے ایک تیز رفتار کار اندر داخل ہوئی  
اور عمران چونک کر اُس طرف دیکھنے لگا۔ کار برآمدے کے سامنے آڑی۔  
اُس میں صرف ایک آدمی سوار تھا۔ وہ انجن بند کیے بغیر کار سے اُتر کر برآمدے  
کی طرف لپکا اور اُس کا بگڑا ہوا حلیہ دیکھ کر عمران کے ہونٹوں پر درنگی آمیز  
مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ وہ آدمی سنگ ہی تھا۔ عمران بیک اپ میں تھا اس  
لیے وہ اُسے پہچان نہ سکا۔ اور عمران کے قریب آکر مضطربانہ لہجے میں بولا۔

”اس کار میں ابھی ایک زخمی لایا گیا تھا، وہ کہاں ہے۔؟“  
”وہ آپریشن تھیر میں ہے چچا ولد الحرام۔“ عمران نے  
درنگی آمیز لہجے میں کہا۔

”اوہ۔۔۔ تم۔۔۔“ سنگ ہی اُچھل پڑا۔

”ہاں۔۔۔ اور تم بھی آپریشن تھیر میں جانے والے ہو۔“ عمران  
نے کہا۔

اور وحیسانہ انداز میں سنگ ہی پر حملہ کر دیا۔ اُس کا ٹکٹا سنگ ہی کے

جھڑے پر پڑا اور سنگ ہی کراہتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ اُس نے خود کو سنبھالا اور  
خونخوار نگاہوں سے عمران کو دیکھا ہوا اعزایا۔

”حرامی بھتیجے۔۔۔ کیپٹن بابر کے پاس میری نوٹ بک ہے اور اُسے حاصل  
کرنے کے لیے میں تم سے ذرا بھی رعایت نہیں کر سکتا۔ سنبھلو۔۔۔!“

اُس کے ساتھ ہی اُس نے عمران پر پستی تلی چھلانگ لگا دی۔ عمران تیزی  
سے دائیں جانب ہٹا اور سنگ ہی فرش پر آگرا۔ عمران نے فوراً ہی اُس کے  
پہلو میں ٹھوکر رسید کر دی۔ سنگ ہی نے کراہتے ہوئے کروٹ لی اور  
اسی لمحے عمران کی دوسری ٹھوکر اُس کے سینے میں پڑی۔ سنگ ہی کے منہ سے ہلکی سی  
چخ نکلی گئی۔ تیزی سے اٹھ کر اُس نے خود کو بچانے کے لیے تیزی سے کروٹ  
لی اور عمران کا پاؤں ہوا میں ناچ کر رہ گیا جس سے وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا  
اور پشت کے بل فرش پر آکر رہا۔

سنگ ہی نے فوراً عمران پر جست کی اور اُس کے سینے پر جھڑھ کر عمران  
کے چہرے پر گھونے رسید کرنے لگا۔ عمران نے تیزی سے ایک ہاتھ آگے  
کر کے اُس کا گھونسا کلائی پر روکا اور دوسرے ہاتھ سے اُس کے سر کے بال  
کپڑ کر زور سے کیچنے ڈالے۔ سنگ ہی کراہتا ہوا اُس کے پہلو میں آگرا۔ عمران  
نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اُس کی ناک پر مٹکا رسید کیا اور سنگ ہی کے حلق سے بلبلاہٹ  
غلغلاہٹ ہونے لگی۔ عمران کا دوسرا مٹکا اُس نے کلائی پر روکے ہوئے جوانی طور پر  
اُس کے جھڑے پر گھونسا رسید کیا اور عمران پہلو کے بل فرش پر لڑھک گیا۔

سنگ ہی ہنسنے سے اٹھا اور اپنی زخمی اور خون آلود اگلی ناک کی پرواہ کیے

بغیر حشیانہ انداز میں عمران پر ٹوٹ پڑا۔ عمران نے دونوں پاؤں اُس کے سینے پر ٹسکتے ہوئے ایک جھٹکا دیا اور سنگ ہی پشت کے بل پیچھے جا گرا مگر پھر تیزی سے کھڑا ہو گیا۔ عمران کھڑا ہوا اور اُس نے ایک پاؤں پر اچھلتے ہوئے سنگ ہی کے سینے پر فلائنگ لک رسید کر دی۔ سنگ ہی ڈکڑا تا ہوا عقب میں دیوار سے جا ٹکرایا۔ عمران نے کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر اُس پر جبت کی مگر سنگ ہی تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ عمران دیوار کے ساتھ جا ٹکرایا اور فرش پر گر پڑا۔

سنگ ہی نے جلدی سے راہداری کی طرف بڑھنا چاہا جس میں آپریشن روم تھا مگر اسی لمحے عمران نے اُس پر لمبی پھیلا لنگ لگائی اور اُڑتا ہوا سنگ ہی برسرِ آگرا۔

”جاتے کہاں ہو چچا عرام کے بیچ۔ مجھ سے تو ملو“ عمران اُس کی پشت پر سوار ہوتا ہوا غزایا۔ سنگ نے فوراً کروٹ لی اور عمران کو دائیں جانب گراتے ہوئے اُٹھ بیٹھا۔ اسی لمحے راہداری کی طرف سے دوڑتے قدموں کی آہٹیں اُبھرنے لگیں۔ عمران نے تیزی سے اُٹھ کر سنگ ہی پر جبت کی مگر سنگ ہی اُس کی زد سے نکل گیا۔ اور عمران فرش پر آگرا۔ دوسرے ہی لمحے سنگ ہی نے برآمدے سے باہر پھیلا لنگ لگائی اور کیٹ کی طرف دوڑ پڑا۔ عمران بھی پھرتی سے اُٹھا اور سنگ ہی کے پیچھے دوڑتا ہوا نکلا گیا۔

**سلور** کو دانش منزل پہنچانے کے بعد صفدر ایکسٹو کی ہدایت پر اپنے فلیٹ پہنچا اور چلے کی پیالی بنا کر پینے کے بعد بیڈ پر لیٹ گیا۔ سر ہانے جیمز بیڈ لے چیز کا ایک جاسوسی ناول رکھا تھا جسے کل رات تک اُس نے نصف کے قریب پڑھا تھا۔ وہ ناول اُٹھا کر پڑھنے لگا۔ یہ اُس کی عادت بن چکی تھی کہ جب تک مطالعہ نہ کرتا اسے نیند نہ آتی تھی۔ نصف گفٹ بعد اُس کی آنکھیں نیند کے دباؤ سے بوجھل ہونے لگیں تو اُس نے ناول بند کر کے میکے کے نیچے رکھا اور کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔

ٹھیک اسی لمحے کال بیل کی آواز اُبھری اور اُس کی آنکھیں بے اختیار کھل گئیں۔ ذہن پر سے غنودگی کی چادر سرک گئی اور وہ تیزی سے اُٹھ بیٹھا۔ اُس کے ساتھ ہی اُس کے ذہن میں سوال ابھرا کہ اس وقت کون ہو سکتا ہے۔



اُس نے بیڈ سے اُتر کر تکیہ کے نیچے سے اپنا ریلو اور نکالا اور گاؤں کے جیب میں ڈالتا ہوا دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ بیڈ روم سے نکل کر وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اچانک اُس کی چھٹی جس کسی انجانے خطرے کا اعلان کرنے لگی اور وہ چونک کر رک گیا۔

”کون ہے —“ اُس نے محتاط لہجے میں کہا۔

”میں ہوں — کیپٹن باہر —“ باہر سے کھانٹے ہوئے کسی

نے کہا۔

اور صفدر وہ آواز اُس کی چونک پڑا۔ دوسرے ہی لمحے اُس کے

لبوں پر خطرناک سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”سوٹھو کیپٹن — میں ذرا لباس پہن لوں۔ بس ایک منٹ —“ اور گلی میں داخل ہو گئے۔

صفدر نے بلند آواز سے کہا۔

پھر دبے پاؤں دیوار کی طرف بڑھا۔ بینگ پر لٹکا ہوا لباس پہننے سے اس لئے دُور جاؤں گے کہ اگر صفدر ادھر ادھر کہیں چھپا ہوا ہو تو

میں اُسے ایک منٹ سے کم وقت لگا اور وہ بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا، انہیں روانہ ہوتے دیکھ کر اپنی کمین گاہ سے نکل آئے۔

بیڈ روم کا دروازہ بند کر کے وہ عقبی جانب کھلنے والی کھڑکی کی طرف لپکا

کھڑکی کھول کر وہ دیوار پر لگے نکاسی آب کے پائپ کو دیکھ کر چونک پڑا۔ وہاں سے ایک آدمی گلی سے نکلا اور دوبارہ فلیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

چڑھا اور باہر نکل کر پائپ کے ساتھ چیک کیا۔ پھر اُس نے خود کار قفل دلا دینے پڑھ کر اُپر چلا گیا۔ صفدر نے جلدی سے واچ ٹرانسمیٹر آن کیا اور

کھڑکی ایک ہاتھ سے بند کر دی اور پائپ پر پھسلتا ہوا زمین پر جا پہنچا۔ مٹھو کو کالی کرنے لگا۔ سلسلے ملنے میں دو تین سیکنڈ لگے۔ اُس نے ایکسٹو کو

گلی میں سنا تھا۔ وہ گلی سے نکل کر عمارت کے سامنے کی جانب سرک پر۔ حال بتائی۔ جواب میں ایکسٹو نے اُن کا تعاقب کرنے کی ہدایت کی اور

آیا تو اُس کے فلیٹ کے زینوں کے پاس سفید رنگ کی ٹیوٹا کھڑی تھی۔ صفدر نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔

جبکہ اُس کی اپنی کار چند گز آگے کھڑی تھی۔ وہ سرک کر اس کر کے دوسری جانب واقع پان سگیٹ فروش کے کھوکھے کے عقب میں جا کھڑا ہوا۔ کھوکھا بند تھا۔ اُسے یقین تھا کہ کیپٹن باہر کی آواز میں بولنے کی کوشش کرنے والا اُس کے فلیٹ میں اُسے موجود نہ پا کر واپس آئے گا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد ہی دو آدمی تیزی سے زینے اُتر کر نیچے آئے

دکھائی دیے۔ اُن کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں اور وہ محتاط انداز میں

ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ نیچے آ کر وہ ٹیوٹا کار میں بیٹھے اور کار حرکت میں

آ کر دوڑتی چلی گئی۔ صفدر نے کھوکھے کی آڑ سے سنا چاہا مگر اسی لمحے کار

چند قدم آگے گلی کی نگر پر رکتی نظر آئی۔ کار روک کر وہ دونوں باہر آئے

”اوہ گلی میں داخل ہو گئے۔“ صفدر سمجھ گیا کہ وہ عقبی جانب اُسے تلاش کریں گے۔

اس بات کا بھی امکان تھا کہ وہ کوئی چال چل رہے ہوں اور اُس کے فلیٹ

پر دے پاؤں دیوار کی طرف بڑھا۔ بینگ پر لٹکا ہوا لباس پہننے سے اس لئے دُور جاؤں گے کہ اگر صفدر ادھر ادھر کہیں چھپا ہوا ہو تو

میں اُسے ایک منٹ سے کم وقت لگا اور وہ بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا، انہیں روانہ ہوتے دیکھ کر اپنی کمین گاہ سے نکل آئے۔

بیڈ روم کا دروازہ بند کر کے وہ عقبی جانب کھلنے والی کھڑکی کی طرف لپکا

کھڑکی کھول کر وہ دیوار پر لگے نکاسی آب کے پائپ کو دیکھ کر چونک پڑا۔ وہاں سے ایک آدمی گلی سے نکلا اور دوبارہ فلیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

چڑھا اور باہر نکل کر پائپ کے ساتھ چیک کیا۔ پھر اُس نے خود کار قفل دلا دینے پڑھ کر اُپر چلا گیا۔ صفدر نے جلدی سے واچ ٹرانسمیٹر آن کیا اور

کھڑکی ایک ہاتھ سے بند کر دی اور پائپ پر پھسلتا ہوا زمین پر جا پہنچا۔ مٹھو کو کالی کرنے لگا۔ سلسلے ملنے میں دو تین سیکنڈ لگے۔ اُس نے ایکسٹو کو

گلی میں سنا تھا۔ وہ گلی سے نکل کر عمارت کے سامنے کی جانب سرک پر۔ حال بتائی۔ جواب میں ایکسٹو نے اُن کا تعاقب کرنے کی ہدایت کی اور

آیا تو اُس کے فلیٹ کے زینوں کے پاس سفید رنگ کی ٹیوٹا کھڑی تھی۔ صفدر نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔

میں پوچھا۔

”و ابھی جو دو غیر ملکی اندر آئے تھے وہ کن کمروں میں مقیم ہیں۔“ صفدر نے کار اٹھا کر جیب میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

”فرسٹ فلوئر پر کمرہ نمبر دس اور گیارہ ہیں۔“ کلرک نے بتایا۔ ”کیا وہ اسمگلر ہیں جناب۔“

”نہیں۔“ مگر تم نے میری آمد کا کسی سے ذکر کیا تو پھنس جاؤ گے۔“ صفدر نے سخت لہجے میں کہا۔

اور زمینوں کی طرف بڑھ گیا۔ نیسے چڑھ کر وہ فرسٹ فلوئر پر پہنچا اور کمروں کے نمبر دیکھتا ہوا دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ کمرہ نمبر دس کے قریب پہنچ کر وہ محتلا ہو گیا۔ اُس نے آگے بڑھ کر بند دروازے سے کان لگایا تو اندر سے آواز آنے لگی۔

”مادام۔۔۔ ہم نے اُسے بلڈنگ کے آس پاس گلیوں میں بھی تلاش کیا تھا مگر وہ نہیں ملا۔ جی ہاں۔۔۔ شاید ایسا ہی ہو۔ نہیں۔۔۔ ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا۔“ غالباً ان میں سے ایک فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ ”بہت بہتر۔“

اس کے ساتھ کٹرل پر ریسیور رکھنے کی آواز سنائی دی۔ اور صفدر نے ہلکے کمرے کی ہول سے آنکھ لگا دی۔ دونوں سیفد نام میز کے گرد گھومتے ہوئے تھے۔

”اچھا۔۔۔ میں تو اب آرام کرتا ہوں۔ صبح ملاقات ہوگی۔“ ایک آدمی

اسی لمحے فلیٹ کی طرف جانے والا آدمی واپس آتا دکھائی دیا۔ وہ نیسے اُتر کر اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ وہ کار کے پاس پہنچا تو اُس کا ساتھی گلی سے نکل آیا۔ پھر دونوں کار میں بیٹھے اور کار آگے روانہ ہو گئی۔ تب صفدر بھی کھوکھے کی آڑ سے نکل کر اپنی کار کی طرف لپکا۔ کار میں بیٹھے کمرے نے انجن اشارٹ کیا اور روشنیاں جلانے بغیر ٹیوٹا کے پیچھے روانہ ہو گیا جس کی عقبی تیلیاں کافی فاصلے پر دکھائی دے رہی تھیں۔

تیزی سے کار دوڑاتا ہوا وہ ٹیوٹا کے قریب پہنچ گیا مگر اب بھی درمیانی فاصلے میں چالیس گز سے کم نہ تھا۔ ٹیوٹا کا پانچ منٹ بعد شاہراہ رومی پر پہنچی اور ایک دو منٹ پہلے کے احاطے میں داخل ہو گئی۔ صفدر نے اپنی کار ہوٹل سے چند قدم پیچھے روکی اور انجن بند کر کے اُتر آیا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا ہوٹل کے گیٹ پر پہنچا تو وہ دونوں ہال میں داخل ہوتے نظر آئے۔ چند لمحوں بعد صفدر بھی ہوٹل کے احاطے میں داخل ہوا۔ اور ہال کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہ ہال میں داخل ہوا تو وہ دونوں سیفد نام غائب تھے۔ ہال میں گنتی کے چند گاہک بیٹھے تھے۔ صفدر کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچا تو کاؤنٹر کلرک اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

صفدر نے اپنی جیب سے ایک وزٹینگ کارڈ نکال کر کلرک کے ساتھ رکھ دیا جس پر اُس کا فرضی نام اور انیسٹر پیشل سکیورٹی فورس لکھا تھا۔ کلرک کا رڈ بڑھ کر قدرے پریشان نظر آنے لگا۔

”جی۔۔۔ فرمایتے۔ کیا حکم ہے۔“ اُس نے مزہ بانہ لہ



نے انگریزوں کو لے کر اٹھتے ہوئے کہا۔

اور صفدر کوئی آہٹ پیدا کیے بغیر پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ زینوں کے پاس پہنچ کر وہ ایک دیوار کی آٹھیں ٹک گیا۔ اُس کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ آدمی باہر نکل آیا۔ اُس نے رام لہاری کا جائزہ لیا اور ساتھ والے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھول کر وہ اندر چلا گیا اور صفدر زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ ہوٹل سے باہر آکر وہ اپنی کار میں بیٹھا اور واپس ٹرانسمیٹر آن کر دیا۔  
”ہیلو چیف — صفدر کالنگ اور۔“ وہ وائج منہ کے قریب لاکر بولنے لگا۔

”ویس صفدر — ایکسٹورسیننگ اور۔“ چند لمحوں بعد واپس ٹرانسمیٹر سے ایکسٹو کی آواز خارج ہوئی۔  
”رپورٹ سر —“ صفدر نے ٹو بزن لہجے میں کہا۔  
اور پھر تعاقب کی تفصیل بتانے لگا۔

اُسے ہوش آیا تو اُس نے خود کو ایک کمرے پر پایا۔ کمرے میں اُس کے علاوہ دو آدمی اور تھے جو صوفوں پر بیٹھے تھے جبکہ میز کے پیچھے رکھی ہوئی آرام دہ کرسی خالی نظر آرہی تھی۔ جولیانا نے یادداشت پر زور دیا اور اُسے یاد آگیا کہ اُس کے فلیٹ میں ہنگامہ ہوا تھا۔ اور دونوں نقاب پوشوں میں سے ایک نے اُس کی کینڈی پر گھونٹہ رسید کیا تھا جس کے بعد اُسے کوئی ہوش نہیں رہا تھا۔ سامنے دیوار پر لگے کلاک پر صبح کے نو بج رہے تھے۔ گویا وہ دس گھنٹے بے ہوش رہی تھی۔ اُس کے دونوں ہاتھ کرسی کی پشت پر بندھے ہوئے تھے اور صوفوں پر بیٹھے سفید نام اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اُن میں سے ایک کی ناک کافی متورم نظر آرہی تھی۔ جولیانا نے اندازہ لگایا اگر وہ رات والے نقاب پوشوں میں سے کوئی تھا تو وہ سنورا ہی ہو سکتا تھا جس

کی ناک پر جولیانا نے مٹکا رسید کیا تھا۔

”میں کہاں ہوں —؟“ جولیانا نے اُن سے پوچھا۔

”فی الحال تو زمین پر ہی ہو“ سوچی ہوئی ناک والا مسکرا کر طنز پر لہجے میں بولا۔ ”البتہ مادام کے آنے پر معلوم نہیں کہاں پہنچا دی جاوے گی۔“

”مادام کون ہے —؟“ جولیانا نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

”خاموش رہو۔“ دوسرے آدمی نے سخت لہجے میں جولیانا سے کہا۔

”مادام خود تمہیں ہر بات بتا دے گی۔“

جولیانا دوبارہ کچھ کہنے کی بجائے ہاتھوں کی بندشیں ڈھیلی کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ مادام کون ہو سکتی ہے۔ اور کیا یہ وہی گروہ ہے جس نے اُسے پہلے بھی اغوا کرنے کی کوشش کی تھی جو ایکسٹورک بروقت آمد کے سبب ناکام ہو گئے تھے یا کوئی دوسرا گروہ تھا۔ دونوں سفید فام خاموشی سے بیٹھے اُس کی طرف دیکھتے رہے۔

تقریباً دس منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک جوان مگر خوبصورت لڑکی اندر آئی جسے دیکھ کر دونوں سفید فام کھڑے ہو گئے۔ یقیناً وہی اُن کی مادام تھی۔ مادام جولیانا کے قریب سے گزر کر میز کی دوسری جانب رکھی گئی پر جالیٹھی اور جولیانا کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں چھوٹ رہی تھیں۔

”جولیانا —؟“ دفعتاً مادام نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ ”سنائے

آج کل عمران سے متفاری گہری دوستی چل رہی ہے“

مادام کی آواز سن کر جولیانا چونکی اور پھر اُس نے مادام کو پہچان لیا۔

”تھریسیا — تمہیں اس سوال کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔“ جولیانا غصیلے

لہجے میں بولی۔

”وہ کبواس بند کرو۔“ مادام تھریسیا کڑکتے لہجے میں بولی۔ ”وہ میرا محبوب

ہے۔“

”محبوب — ہونہ۔“ جولیانا نے نفرت سے ہونٹ یکسر طے۔

”وہ تمہیں جوتی پر بھی نہیں لکھتا“

”نہ کہے — مگر میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتی کہ میرے جتنے جی تم

اُس پر قبضہ کرو۔“ تھریسیا غرائی۔

”اگر تمہیں اُس نے اتنا ہی پیار ہے تو زیرو لینڈ چھوڑ کر اُس کی بن جاؤ

جولیانا نے مسکرا کر کہا۔

”یہ ضروری نہیں — زیرو لینڈ میرا وطن ہے۔ میں وطن نہیں

چھوڑ سکتی۔“ تھریسیا بولی۔

”مگر محبوب کو پانے کے لیے یہ ضروری ہے تھریسیا۔“ جولیانا نے اپنے

الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”مجھے دیکھو۔ میں نے اُس کی خاطر اپنا

وطن چھوڑا اور پاکیشا کی شہریت اختیار کر لی۔ مجھے فخر ہے کہ میری یہ قربانی رائیگاں

نہیں گئی۔“

”گویا تم عمران کو تسخیر کر چکی ہو۔“ تھریسیا دانت پیستی ہوئی بولی۔

”یہی سمجھ لو — وہ اب میرا ہے اور میرا ہی رہے گا۔ تم جیسی فاحشہ

اُسے مجھ سے نہیں چھین سکتی۔ جولیانے مسکرا کر کہا۔

”شٹ اپ —“ تھریسیا غزائی۔ ”تم نے اُسے دوبارہ اپنا کہا۔  
تو میں تمہاری زبان پر ان لوگوں کی سورت کی بچی“

”مطلب کی بات کرو حرافہ۔“ جولیا جواباً دھاڑی۔ ”مجھے کس لیے اغوا  
کیا گیا ہے۔“

”تمہاری عزت پر مال کرنے کے لیے تاکہ تم عمران کو مرنے دکھانے کے  
قابل نہ رہو۔“ تھریسیا جھڑپے بھینچتی ہوئی بولی۔

”تم جیسی خارش زدہ کنیا میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔“ جولیانے اُسے  
غصے سے ہونٹے کہا۔

”مگر میں تمہارا چہرہ ضرور بگاڑ سکتی ہوں سوئس حرافہ۔“ تھریسیا نے  
غرا کر کہا۔

پھر سنورا کے ساتھ بیٹھے آدمی کی طرف دیکھ کر دھاڑی۔

”ڈاکٹر — تیرا ب کی بوتل لے آؤ۔ جلدی کرو۔“

ڈاکٹر نامی شخص فوراً دروازے کی طرف بڑھا اور کمرے سے نکل گیا۔  
تھریسیا جولیا کو گھورتے ہوئے بولی۔

”میرے موجودہ مشن میں تمہاری موت بھی شامل ہے۔ اور آج تم موت  
کی آغوش میں پہنچ جاؤ گی۔“

”تم پہلے بھی کئی بار کوشش کر چکی ہو کیدار کی بچی۔“ جولیانے غونجوار  
لے میں کہا۔ ”اور ہر بار کنیا کی طرح بلبلائی ہوئی ناکام واپس گئی ہو۔ چنانچہ

آج بھی تم اپنے مقصد میں ناکام ہو گی۔“

”تمہیں ابھی پتہ چل جاتا ہے۔“ تھریسیا درنگی آمیز لمبے میں بولی۔ ”ایک  
منٹ تو صبر کرو۔“

پچھلے بعد ڈاکٹر ہاتھ میں ایک بوتل لیے اندر آیا۔ مگر جولیا کے چہرے  
پر کوئی پریشانی ظاہر نہ ہوئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ یہاں سے نکلنے کی کوشش  
کرے یا تھریسیا کو کوئی شاندار سبق دے۔ جولیا ابھی بہر حال عورت تھی اور کوئی  
عورت برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی دوسری اُس کے محبوب سے محبت کرے  
یا اُس پر حق جٹائے۔

ڈاکٹر — بوتل کھولو اور اس کے چہرے پر آلٹ دو۔“ تھریسیا نے  
بڑی بے رحمی سے کہا۔

”بہت بہتر مادام۔“ ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔

پھر وہ بوتل کا ڈھکنا کھولتا ہوا جولیا کے سامنے آگیا۔ اُس نے ایک لمحے  
کے لیے جولیا کی طرف دیکھا مگر جولیا کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔ سنورا  
حیرت سے جولیا کو دیکھتا ہوا سوچ رہا تھا کہ جولیا واقعی اتنی نڈر ہے جتنی دکھائی  
دے رہی تھی۔

”سوچتے کیا ہو ڈاکٹر۔“ تھریسیا غزائی۔ ”جلدی کرو۔ میں عمران  
کو اس کی لاش کا تحفہ بھیجتا چاہتی ہوں۔“

تھریسیا کی غراہٹ سن کر ڈاکٹر نے کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر تیراب کی بوتل  
جولیا کے چہرے کی طرف بڑھائی اور دوسرے ہی لمحے کمرہ اذیتناک چیخوں سے  
گونجنے لگا۔

رہا تھا۔

”اگر آپ اُسے یہاں لانے میں پانچ منٹ کی بھی تاخیر کر دیتے تو وہ ختم ہو چکا ہوتا۔ تینوں گولیاں خطرناک مقامات پر لگی تھیں۔ بازو کی ہڈی محفوظ رہ گئی تھی۔ وہاں گولی گوشت بھاڑتی نکل گئی تھی البتہ ران اور کندھے میں سے گولیاں نکالنا پڑی ہیں۔“

”اُسے کب تک ہوش آئے گا ڈاکٹر۔؟“ عمران نے پوچھا۔  
 ”دیکھئے۔۔۔ خون بہت ضائع ہوا ہے۔ اُسے خون دیا جا رہا ہے۔  
 مکمل دوپہر تک اُسے ہوش میں آ جانا چاہیئے۔“ سپرنٹنڈنٹ نے وثوق سے کہا۔  
 ”کیا آپ بھی ایکسٹو کے ماتحت ہیں۔؟“  
 ”نہیں۔۔۔ میں ایکسٹو کا ملازم ہوں۔“ عمران نے احمقانہ لہجے میں کہا۔

”ایک ہی بات ہے۔۔۔ وہ مُسکرا کر بولا پھر جیب سے ایک نوٹ بک نکال کر عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

”یہ اُس کے لباس میں سے برآمد ہوئی ہے۔“  
 ”شکریہ۔۔۔“ عمران نے کہا۔ ”ایکسٹو کا حکم ہے کہ مریض کو علیحدہ کمرے میں رکھا جائے جہاں ٹیلیفون کی سہولت بھی ہو۔ اور اُس کی نگرانی کے لیے ایک نرس مستقل طور پر اُس کے کمرے میں رہنی چاہیئے۔“

”آپ بے فکر رہیں۔ ہماری جانب سے کوئی کوتاہی نہ ہوگی۔“ سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

**عمران** نے اسپتال سے باہر آ کر ادھر ادھر دیکھا تھا مگر سب سے نظر نہ آیا تھا اُس علاقے میں متعدد گولیاں تھیں۔ سبجانے وہ کس گلی میں غائب ہوا تھا۔ چنانچہ عمران واپس اسپتال میں آ گیا تھا۔ وہ سیدھا آپریشن تھیٹر پہنچا اور باہر تک نہ انتظار کرنے لگا۔ اُسے سب سے پہلے ہی کے نکل جانے کا افسوس تھا مگر اب بھی اُس کا یہ اٹل فیصلہ تھا کہ وہ کپٹن باہر کے زخموں کا سب سے ضرور انتقام لے گا۔

تقریباً سو گھنٹے بعد آپریشن روم کا دروازہ کھلا اور سپرنٹنڈنٹ باہر نکل آیا۔ عمران کو دیکھ کر وہ چونکا۔ پھر بولا۔

”آپ کے مریض کی جان بچ گئی ہے جناب۔“  
 اور عمران نے اس اطلاع پر اطمینان کا سانس لیا۔ سپرنٹنڈنٹ کہہ

اور عمران وہاں سے چل دیا۔ باہر آکر وہ اپنی کاریں بیٹھا اور انجن اسٹارٹ کر کے چل پڑا۔ اسپتال سے نکل کر ٹرک پر آنے کے بعد اُس نے وایچ ٹرانسمیٹر آن کیا اور بلیک زیرو کو کال کرنے لگا۔

”ہیلو طاہر — عمران کاننگ — اوور“

”یس سر — بلیک زیرو اینڈنگ — اوور“۔ چند لمحوں بعد بلیک زیرو کی آواز سنائی دی۔

عمران نے اُسے کیپٹن بابر کی حالت سے آگاہ کیا اور ہدایات دینے لگا۔  
”صدیقی کو یہاں بھیج دو۔ وہ نہ صرف کیپٹن بابر کی دیکھ بھال کرے گا بلکہ سنگ ہی کی کار پر بھی نظر رکھے گا۔“

”بہت بہتر — کیا آپ آکر رہے ہیں۔؟“ بلیک زیرو نے پوچھا۔  
”نہیں — اب میں فلیٹ جاؤں گا“ عمران نے کہا۔ ”کوئی خاص بات ہو تو مجھے فون کر لینا۔“

اتنا کہہ کر اُس نے وایچ ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ مگر تقوڑی دُور جانے پر اُسے نوٹ بک کا خیال آیا اور اُس نے اگلے چوک سے کار کا رخ دانش منزل کی طرف کر دیا۔ وہ نوٹ بک یقیناً اہم تھی جسے حاصل کرنے کے لیے سنگ ہی دوبارہ کیپٹن بابر کے پیچھے آیا تھا اور عمران کے خیال میں وہ فلیٹ پر محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔

پچھند منٹ بعد وہ دانش منزل پہنچا تو جوزف کپساؤنڈ میں موجود تھا۔ عمران نے کار روک کر انجن بند کیا اور نیچے اتر آیا۔

”اوہ — باس — یہ کیا —“ جوزف اُس کا غون آلود لباس دیکھ کر پریشانی سے بولا۔

”کک — کہاں —؟“ عمران اُچھل کر خوفزدہ لمبے میں بولا۔

اور زمین پر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جوزف جلدی سے بولا۔

”باس — آپ کے لباس پر خون ہے۔“

”اوہ — میں سمجھا شاید تمہیں پھنیر ناگ نظر آ گیا ہے۔“ عمران نے احمقانہ لمبے میں کہا۔

اور جوزف نے دانت نکال دیے۔ وہ بے ڈھنگے پن سے ہنستا ہوا بولا۔

”باس — یہاں ناگ کا کیا کام۔؟“

”وہی جو تمہارا ہے۔“ عمران نے غصے سے کہا۔ ”اس لیے مُنڈ بند کرو اور چائے بنا کر آپریشن روم میں لے آؤ۔“

”بہت بہتر باس — آپ چلیں۔“ جوزف نے سر ہلا کر کہا۔

اور عمران آپریشن روم کی طرف چل دیا۔ آپریشن روم میں بلیک زیرو موجود تھا۔

”آپ تو اپنے فلیٹ پر جا رہے تھے۔“ اُس نے مسکرا کر کہا۔

”وہم ناراض ہو تو واپس چلا جاتا ہوں۔“ عمران نے پلٹے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں۔۔۔“ بلیک زیر و بکھلا کر بولا۔ ”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“

”مگر میرا یہ مطلب تھا،“ عمران نے کوٹ کی جیب سے نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔۔۔ کیا یہ وہی ہے جس کا کیپٹن بابر نے ذکر کیا تھا۔“ بلیک زیر و نے چونکتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔۔۔“ عمران نوٹ بک کی ورق گردانی کرتا ہوا بولا۔

نوٹ بک میں مختلف سائنسی فارمولے اور کلیات درج تھے۔ نوٹ بک میں آخری اندراج چھ دن پہلے کا تھا اور اُس پر تاریخ درج تھی۔ یہ بھی کوئی فارمولا تھا جو نوٹ بک کے پانچ صفحات پر پھیلا ہوا تھا مگر اُس میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا تھا جس سے عمران فارمولے کی نوعیت و اہمیت جان سکتا۔ اتنے میں جوزف چائے لے آیا۔ اُس نے چائے کے برتن میز پر رکھے اور خاموشی سے نوٹ گیا۔ بلیک زیر و پیالیوں میں چائے اُنڈیلنے لگا۔

”اے محفوظ کر دو،“ عمران نے نوٹ بک بند کر کے بلیک زیر و کو دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ یقیناً پروفیسر بقراط کی ہے اور اس میں فارمولے اور کیلئے درج ہیں۔ سنگ ہی نے اُس نوٹ بک کے حصول کے لیے آج جس باگل پن کا مظاہرہ کیا ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نوٹ بک کا کوئی فارمولا اُسے درکار ہے۔“

”آپ کے آنے سے پہلے صفحہ کی کال آئی تھی،“ بلیک زیر و نے چونکتے ہوئے کہا۔

اور تفصیل سے صفحہ کی رپورٹ دوہرا دی۔ عمران چائے پیتا ہوا بولا۔

”اُس نے عقل مندی سے کام لیا ہے۔ میرے خیال میں وہ لوگ اُسے قتل کرنے یا اغوا کرنے آئے تھے۔“

”ممکن ہے۔ بہر حال میں نے اُسے ہدایت کر دی ہے کہ وہ اُن دونوں پر نظر رکھے اور رات اُسی ہوٹل میں گزارے۔“

”تم نے صدیقی کو اسپتال بھیج دیا ہے۔؟“ عمران نے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔ آپ کا حکم ملتے ہی میں نے اُسے کال کر کے ہدایات دے دی تھیں۔“ بلیک زیر و نے بتایا۔

”اچھا۔۔۔ کوئی اہم اطلاع آئے تو مجھے جگا دینا،“ عمران نے کہا۔ ”اور ہاں۔۔۔ تم نے اُستاد جبر و کی نگرانی کے لیے کسی کو بھیجا ہے؟“

”جی ہاں۔۔۔ تنویر اُس کی نگرانی کر رہا ہے۔“ بلیک زیر و نے جواب دیا۔ ”کچھ دیر پہلے اُس نے اطلاع دی تھی کہ اُستاد جبر و اپنے ہوٹل میں ہی ہے۔“

”ممکن ہے سنگ ہی اور تمہارا دوبارہ اُس سے کوئی آدمی مانگیں۔“ عمران بولا۔

اور صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ چند منٹ بعد کمرے میں اُس کے بلکے ہلکے خراٹے گونج رہے تھے۔ بلیک زیر و سگریٹ سلگا کر موجودہ کیس کے مختلف



پہلوئوں پر غور کرنے لگا۔ رات کے دو بجے اُسے گری پر بیٹھے بیٹھے نیند آنے لگی تو وہ اٹھ کر صوفے پر آ لیٹا۔ ٹیک اسی لمحے فون کی گھنٹی ٹرٹرانے لگی۔ وہ چونکا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر قریبی تپائی پر کسے فون کا ریسیور اٹھایا اور کان سے لگا لیا۔

”وہیلو — ایکسٹوا سپیکنگ —“ اُس نے بھرائی ہوئی آواز

میں کہا۔

”میں سلیمان بول رہا ہوں جناب۔“ دوسری طرف سے سلیمان کی گھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”اوہ — کیا بات ہے سلیمان —“ بلیک زیرو اپنی اصلی

آواز میں بولا۔

”غضب ہو گیا ہے طاہر صاحب۔“ سلیمان کی آواز بھرا گئی۔ ”یوں سمجھیں قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔“

”مگر ہوا کیا ہے — کچھ بتاؤ گے بھی —؟“ بلیک زیرو پریشان ہو گیا۔

”صاحب موجود ہیں —؟“ سلیمان نے پوچھا۔

”ہاں — وہ سو رہے ہیں۔“ بلیک زیرو نے جلدی سے

کہا۔

”مخفیہ جگہ دیجئے۔ اُن کے سونے کا وقت گزر چکا ہے۔“ سلیمان کی سسکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ”دشمن اُن کے گھر کی دہلیز پار کر چکا ہے

دروہ سو رہے ہیں۔“

بلیک زیرو نے مزید کوئی بات نہ کی اور ریسیور تپائی پر سر رکھ کر عملان رجگانے لگا۔

ہورہا تھا۔

”سنورا — دوسری بوتل لے آؤ۔“ دفعتاً تھریسیا نے سنورا سے کہا۔ ”میں اس حرافہ کا چہرہ بگاڑ کر ہی دم لوں گی۔ جلدی کرو۔“ سنورا پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ جویا تھریسیا کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا کر بولی۔

”اس باریز اب کا شکار تم بنو گی۔“

”شٹ اپ —“ تھریسیا دھاڑی۔

اور جویا نے یکدم اُس پر جنت لگا دی۔ ہاتھوں کی بندشیں ڈھیلی کر کے وہ چند منٹ پہلے ہی ہاتھ آزاد کر چکی تھی مگر ظاہر نہیں کیا تھا۔ وہ تھریسیا پر گری اور تھریسیا کی گری اُلٹ گئی۔ وہ گری سمیت پشت کے بل جا گری۔ جویا اُس کے اوپر گری تھی۔ اُس نے سنبھلے ہوئے تھریسیا کے چہرے پر گھونسا رسید کیا اور تھریسیا کہہ بنے گی مگر دوسرے ہی لمحے اُس نے جویا کے بالوں میں ہاتھ ڈالا اور بل کیصفتے ہوئے ایک جھٹکے سے اُسے دائیں جانب پٹخ دیا۔

جویا سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ تھریسیا اٹھ گئی۔ اُس نے اُٹھتے ہوئے جویا کے پہلو میں ٹھوکر رسید کی مگر جویا نے تیزی سے کروٹ لی اور تھریسیا کا دار خالی کیا۔ جویا نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اُس کی پنڈلی پر کراٹے کا وار کیا اور تھریسیا کراہتی ہوئی ایک پاؤں پر اُچھلنے لگی۔ جویا نے تیزی سے کھڑے ہو کر اُس کے پیٹ میں مگاد رسید کر دیا۔

ڈاکٹر چیخنا ہوا تڑپ رہا تھا۔ جونہی اُس نے جویا کے چہرے پر تیزاب انڈیلنا چاہا جویا نے اُس کے پیٹ میں لات رسید کر دی تھی اور ڈاکٹر لڑکھڑاکہ فرش پر جا پڑا تھا۔ تیزاب کی بوتل چھوٹ کر اُس کے پہلو میں فرش پر گری تھی اور فرش پر پہننے والا تیزاب اُس کے پہلو اور پشت کے نیچے چلا گیا تھا جس سے اُس کا جسم جل گیا تھا اور وہ کربناک چیخیں خارج کر رہا ہوا تڑپ چلا گیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے تھریسیا اور سنورا بکھڑا گئے۔ پھر تھریسیا غرائی رہا تھا۔

”سنورا — ڈاکٹر کو سنبھالو۔“

سنورا تیزی سے ڈاکٹر کی طرف بڑھا اور اُسے فرش کے اُس حصے پر سے پیچھے کھینچ لیا جہاں تیزاب گرا ہوا تھا۔ تھریسیا خونخوار نگاہوں سے جویا کو گھور رہی تھی۔ ڈاکٹر کی چیخیں ماند پڑتی جا رہی تھیں۔ شاید وہ بیہوش

تھریسا درد کی شدت سے بلبلائی ہوئی پیچھے ہٹی اور جولیا نے کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر اُس پر چھلانگ لگا دی۔ لیکن تھریسا نے فوراً ہاتھ بڑھا کر اُسے ہاتھوں پر روکا اور پھر اُس کے منہ پر گھونسا رسید کر دیا۔ جولیا کراہتی اور لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے ہٹی اور کمری ہوئی کہ کسی سے الجھ کر فرش پر آ رہی۔ تھریسا نے تیزی سے آگے بڑھ کر اُس کے پہلو میں ٹھوکر رسید کر دی۔ مگر جولیا نے اُس کا پاؤں پکڑ لیا اور پھر جھٹکے سے مروڑ دیا۔

تھریسا گھوم کر فرش پر آگری اور جولیا نے اُس کے سر کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے تھریسا کے جھڑے پر مٹکا رسید کیا اور تھریسا کے حلق سے تیز کراہ خارج ہو گئی۔ اُس نے جولیا کے ہاتھ سے ال چھڑانے کے لیے جولیا کے پیٹ میں مٹکا رسید کیا اور جولیا نے درد سے کراہتے ہوئے اُس کے بال چھوڑ دیے۔ تھریسا تیزی سے کھڑی ہوئی اور جولیا بھی پھرتی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اگلے ہی لمحے تھریسا نے جھڑے سے بھینچتے ہوئے جولیا پر حملہ کر دیا۔ اُس کا گھونسا جولیا کے سینے پر پڑا اور جولیا لڑکھڑائی۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور سنورا اندر داخل ہوا۔

سنورا کے ہاتھ میں تیزاب کی بوتل تھی۔ مگر وہاں کا بدلا ہوا نقشہ دیکھ کر وہ پٹٹ گیا۔ تھریسا ایک لمحہ کے لیے اُس کی طرف متوجہ ہوئی اور اسی لمحے جولیا نے اُس کے پیٹ میں لات رسید کر دی۔ تھریسا درد سے ڈکراتی اور ہاتھوں سے پیٹ کو دبائے کئی قدم پیچھے ہٹتی چلی گئی۔ سنورا نے جلدی سے اپنا ریوالور نکال کر جولیا پر تان لیا۔

”خبردار — ہاتھ بلند کر لو ورنہ گولی مار دوں گا۔“ اُس نے غرا کر کہا۔

”کبواس بند کرو گئے —“ جولیا دھاڑی۔ ”تم نے کوئی دخل دیا تو مارے جاؤ گے۔“

اسی لمحے تھریسا نے اُسے سنورا کی طرف متوجہ پا کر اُس پر چھلانگ لگا۔ مگر جولیا غافل نہیں تھی۔ وہ پھرتی سے دائیں طرف ہٹی اور تھریسا فرش پر آ پڑی۔ جولیا نے تیزی سے میز پر رکھا ایشن ٹرے اٹھا کر سنورا کے ریوالور پر پھینک مارا اور سنورا کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ کر فرش پر پھیلے تیزاب میں جا پڑا۔ اسی لمحے تھریسا نے فرش پر کڑوٹ بلی اور جولیا کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی۔ جولیا پشت کے بل گری اور تھریسا اُس کے سینے پر چڑھ گئی۔

”سنورا — تیزاب لاؤ۔“ تھریسا جولیا کی گردن پر دو لول ہاتھ جھاتی ہوئی چیخی۔

سنورا تیزاب کی بوتل کھولتا ہوا آگے بڑھا۔ اسی لمحے جولیا نے دونوں پاؤں سمیٹ کر تھریسا کے سینے پر رکھے اور ایک جھٹکے سے اُسے اچھال دیا۔ تھریسا کراہتی ہوئی عقب میں آنے والے سنورا سے جا ٹکرائی اور سنورا لڑکھڑا کر میز سے جا ٹکرایا۔ بوتل اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اُس کے سینے پر گری اور اُس کے حلق سے فلک شکاف چیخیں خارج ہونے لگیں۔ تھریسا نے ایک لمحہ کے لیے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا اور اسی

گرسی پر بیٹھو، وہ سخت لہجے میں بولا۔  
جولیا غصت سے بیسی سے ہنٹ کاٹتی ہوئی گرسی پر بیٹھ گئی۔ جیریکو نے  
نئی ناک والے کا اشارہ کیا۔

”راجر۔ اس کے ہاتھ باندھو۔“ جیریکو نے کہا۔  
اور راجر نامی شخص نے آگے بڑھ کر فرش سے وہ رسی اٹھالی جس سے جولیا  
نے ہاتھ آزاد کرائے تھے۔ اُس نے رسی کی گرہ کھولی اور جولیا کے دونوں ہاتھ  
گرسی کی پشت پر موڑ کر باندھنے لگا۔  
”مضبوطی سے باندھنا۔“ تھریسیا گرسی سیدھی کر کے بیٹھتی ہوئی بولی۔

”سنورا۔ تم جاؤ۔ ڈاکٹر کو بھی لے جاؤ۔“  
سنورا نے بیہوش ڈاکٹر کو فرش سے اٹھا کر کندھے پر لاد ا اور کمرے  
سے نکل گیا۔ جولیا کے ہاتھ باندھنے کے بعد راجر پیچھے ہٹا تو تھریسیا جلدی سے  
بولی۔

”راجر۔ تمہارے پاس جاقوت ہے۔؟“  
”ییس مادم۔“ راجر نے جلدی سے کہا۔  
اور اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر لمبے پھل والا جاقوت نکال لیا۔ اس نے  
جاقوت کھولا اور تھریسیا کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا حکم ہے مادم۔؟“ اُس نے مٹو ہانہ لہجے میں کہا۔  
”تم لوگوں نے ہوٹل سے یہاں آتے ہوئے تعاقب کا خیال رکھا تھا۔؟“  
تھریسیا نے چوکتے ہوئے پوچھا۔

لہجے جولیا نے اُٹھ کر دروازے کی طرف چلا ننگ لگا دی۔ ٹھیک اسی وقت ایک  
آدمی کمرے میں داخل ہوا اور جولیا اُس سے جا مل گئی۔

اُس آدمی نے فوراً جولیا کو اپنے بازوؤں میں دبوج لیا۔ اُس کے عقب میں  
ایک اور آدمی بھی تھا۔ جولیا نے خود کو اُس آدمی کی گرفت سے آزاد کرانے کی  
کوشش کی اور اُس کی ناک پر اپنے سر کی ٹکڑی سید کر دی۔ ضرب شدید تھی۔  
اُس آدمی نے ہلالتے ہوئے جولیا کو چھوڑ دیا اور اپنی ناک ٹھونکنے لگا جس  
سے سُخُن جاری ہو گیا تھا۔

”خبردار۔ جانے نہ پائے۔“ تھریسیا چیخی۔  
اور دوسرے آدمی نے پھرتی سے ریو اور نکال کر جولیا کے سینے سے  
لگا دیا۔ جولیا اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔  
”کوئی حرکت کی تو ٹریگر دب جائے گا۔“ وہ آدمی غواہ۔ ”مُنتہ دوسری  
طرف کر لو۔“

جولیا پلٹی اور تھریسیا کو گھورنے لگی۔ تھریسیا بھی اُسے خون خوار نگاہوں  
سے دیکھ رہی تھی۔ اور اُس کی آنکھوں سے کینہ توڑی جھلک رہی تھی۔ سنورا  
اُٹھ گیا تھا۔ اُس کا سینہ تیراب سے جل گیا تھا اور چہرے پر بے پناہ اذیت  
چھائی ہوئی تھی۔

”جیریکو۔“ اسے گرسی پر بٹھا کر اس کے ہاتھ باندھ دو۔“ چند  
لحوں بعد تھریسیا نے ریو اور والے سے کہا۔  
جیریکو نے ریو اور کی نال سے جولیا کو گرسی کی طرف دھکیلا۔ ”چلو۔“

”یس مدام۔“ جیریکو بولا۔ ”ہم نے یہاں آنے میں بہت احتیاط سے کام لیا ہے۔“

”ٹھیک ہے“ وہ مطمئن ہوتی ہوئی بولی۔ پھر اُس راجر کی طرف دیکھا اور جولیا کو گھورتے ہوئے بولی۔

”راجر — اس فاحشہ کے دونوں کان اور ناک کاٹ ڈالو۔“

اُس کا حکم سن کر جولیا پریشان ہو گئی۔ راجر جاتو لیے اُس کے دائیں جانب آکھڑا ہوا اور پھر جونہی اُس نے جولیا کا دایاں کان پکڑنے کی کوشش کی، اُس کے حلق سے دل دوزخِ خارج ہوئی اور وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔

**سنگ** ہی اسپتال سے نکل کر دوڑتا ہوا بائیں ہاتھ کی گلی میں گھسنا چلا گیا۔ آگے ایک اور گلی تھی۔ وہ دوسری گلی میں داخل ہوا اور تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ اُس گلی کا اختتام ایک سڑک پر ہوا اور وہ سڑک پر آکر دائیں جانب چل دیا۔ چند لمحوں بعد سامنے سے ایک ٹیکسی آتی دکھائی دی۔ اُس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ٹیکسی اُس کے قریب آکر رُک گئی۔

”شالیمار ہوٹل —“ وہ دروازہ کھول کر عقبی نشست پر بیٹھنا

ہوا بولا۔

اور ڈرائیور نے چھوٹا سا ٹرن لے کر ٹیکسی واپس موڑ لی۔ دس بارہ منٹ بعد ٹیکسی شالیمار ہوٹل کے سامنے رُکی اور سنگ ہی اُتر آیا۔ کرایہ ادا کر کے وہ ہوٹل میں داخل ہوا اور ہال کے دروازے کے بائیں جانب زینوں

کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ زینے چڑھ کر وہ فرسٹ فلور پر پہنچا اور آگے بڑھنے لگا۔ ایک کمرے کے دروازے پر رُک کر اُس نے دیکھا کہ کئی شخصیں۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا۔ کھولنے والا ایک سفید فام تھا۔ سنگ دیکھ کر وہ چونکا۔  
”فرمائیے۔۔۔ کس سے ملنا ہے۔۔۔؟“ اُس نے پوچھا۔

”شٹ اپ۔۔۔!“ سنگ ہی غرایا۔

اور وہ آدمی حیرت سے اُچھل پڑا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ایک جانب ہٹ گیا۔ سنگ ہی اندر داخل ہوا اور اُس آدمی نے دروازہ بولٹ کر دیا۔  
”سوری باس۔۔۔ میں آپ کو پہچان نہ سکا تھا۔“ اُس نے پلٹ کر معذرت آمیز لہجے میں سنگ سے کہا۔

سنگ ہی کوئی جواب دیے بغیر میز کے پاس پڑے صوفے پر جا بیٹھا۔ اور جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگانے لگا۔ اس وقت اُس کی آنکھوں سے وحشت سی ٹپک رہی تھی اور وہ تصور میں عمران کی ہڈیاں چبا رہا تھا۔

”ملٹن۔۔۔ میک اپ بکس ہے تمہارے پاس۔؟“ اُس نے چند گہرے کش لینے کے بعد سفید فام سے پوچھا۔

”یس باس۔۔۔!“ ملٹن نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔  
”نکالو۔۔۔ جلدی کرو۔“ سنگ ہی بولا۔ ”میں میک اپ کروں

گا“

ملٹن اپنے بستر کی طرف بڑھ گیا۔ اُس نے بستر کے نیچے ہاتھ ڈال کر چھوٹا

سایک اپ بکس نکالا اور سنگ ہی کے پاس لے آیا۔ سنگ ہی نے میک اپ بکس لے کر میز پر لاٹھا اور کچھ سوچنے لگا۔

”تمہارے پانس گاڑی ہے۔۔۔؟“ اُس نے چند لمحوں بعد پوچھا۔  
”نہیں باس۔۔۔ پلٹن نے جواب میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہوں۔۔۔“ سنگ ہی سوچتا ہوا بولا۔ ”تم جاؤ اور کوئی ٹیکسی اغوار کر لاؤ۔ میں اتنی دیر میں میک اپ کر لوں۔“

”کہیں جانے کا پروگرام ہے باس۔۔۔؟“ پلٹن نے پوچھا۔  
”جو اسے بند کرو اور جو کہا ہے اُس پر عمل کرو۔“ سنگ ہی کڑکتے لہجے

لہجے میں بولا۔

پلٹن بوکھلا کر دروازے کی طرف بڑھا تو سنگ ہی غرایا۔  
”احتمی آدمی سیلنگ سوٹ میں ہی جاؤ گے۔؟“

پلٹن مڑا اور بائیں جانب دیوار پر لٹکے ہینگر کی طرف بڑھ گیا جس پر اُس کا لباس نظر آ رہا تھا۔ ہینگر سے سوٹ اتار کر وہ ہاتھ روم کی طرف لپکا۔

ہاتھ روم میں آ کر اُس نے لباس تبدیل کیا اور باہر نکل آیا۔ مگر رکنے کے بجائے دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ سنگ ہی

نے اُٹھ کر دروازہ بولٹ کیا اور دوبارہ صوفے پر آ بیٹھا۔ اُس نے میک اپ بکس کھولا اور مختلف لوشن اور رنگوں سے اپنی شکل تبدیل کرنے

لگا۔ نصف گھنٹہ بعد اُس کی شکل تبدیل ہو چکی تھی۔  
میک اپ سے فارغ ہو کر اُس نے میز پر رکھے فون کا ریسیور اٹھایا



اور ہٹل کے کاؤنٹر کے نمبر ملانے لگا۔ رابطہ قائم ہونے پر اُس نے کلرک کو کمرہ نمبر بتا کر کافی بچھڑانے کی ہدایت کی اور ریسیور رکھ دیا۔ پھر اُٹھ کر دروازے کا بولٹ گھمایا اور واپس صوفے پر آکر ویٹر کا انتظار کرنے لگا۔

پانچ منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ سنگ ہی نے قدرے بلند آواز سے کہا۔ ”دکم ان“۔

دروازہ کھلا اور ایک ویٹر کافی کی ٹرے اُٹھائے اندر آ گیا۔ اُس نے سنگ ہی کو سر کے اشارے سے سلام کیا اور کافی کے برتن میز پر رکھ کر واپس چلا گیا۔ سنگ ہی کافی بنا کر پینے لگا۔ اُس نے ایک کے بعد دوسری پیسالی پی اور ایک سگریٹ سلگا کر پینے لگا۔ اب اُسے پلٹن کا انتظار تھا۔

نصف گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور پلٹن اندر داخل ہوا۔ اُس نے دروازہ بند کیا اور سنگ ہی سے بولا۔

”باس — ٹیکسی آگئی ہے۔ ہٹل کی حقیقی گلی میں کھڑی کر دیا ہوں۔“

”سنگ ہی نے اپنی رسٹ وایچ پر نظر ڈالی۔ رات کا ایک بجنے والا

تھا۔“

”ریو اور ہے تنہا رہے پاس —؟“ اُس نے پلٹن سے پوچھا۔

”یس سر —؟“ پلٹن نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ ٹیکسی ہٹل کے گیٹ کی طرف لے آؤ۔ تم میرے ساتھ

چلو گے۔“ سنگ ہی نے کہا۔

”راٹ سر —“ پلٹن نے کہا۔

اور دروازے کی طرف پلٹ گیا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اُس کے جانے کے پانچ منٹ بعد سنگ ہی اُٹھا اور کمرے سے نکل کر دروازہ بند کرنے کے بعد زینوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ زینے اُتر کر وہ ہٹل کے کپاؤنڈ میں پہنچا اور رُکے بغیر گیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ گیٹ سے نکل کر وہ سڑک پر آیا اور اسی لمحے بائیں جانب سے ایک ٹیکسی اُس کے آگے آ کر کی۔ ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ پر پلٹن موجود تھا۔

”ڈی جی پولیس کی کوٹھی چلو۔“ سنگ ہی نے دروازہ کھول کر بھتی نشست پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اور پلٹن گئیر بدل کر ٹیکسی کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

لہذا کہی ہے جو سوئے نہیں ہو۔“

”صاحب — آپ کو اٹھکیلیاں بوجھی ہیں اور ہم بیزار بیٹھے ہیں۔“

سلیمان کی پریشان آواز سنائی دی۔

”گویا بقول کنفیوشس آدمی رات کو جب دینے والے۔“ عمران نے

کہنا چاہا۔

”صاحب —“ سلیمان نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔

”کنفیوشس کو گولی ماریں۔ یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔ سبندگی سے سنیں۔“

”اچھا پیارے — ساؤ۔ مگر آدھی رات کا راگ یا قوالی مست

بہنا نا۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔

”صاحب — آپ کی بہن —“ سلیمان کی آواز بھر اگئی۔

”اوہ — کیا ہوا میری بہن کو۔“ عمران چیخا اور بلیک زیرو بھی

لہر لہر رہ گیا۔

”شرابی بی کو اغوا کر لیا گیا ہے۔“ سلیمان نے سکتے ہوئے کہا۔

اور عمران کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ ریسور پراس کی گرفت

سخت ہو گئی اور آنکھوں سے تہرہ برسنے لگا۔ چند لمحوں تک اُس کے حلق سے

کوئی آواز نہ نکلی اور وہ جڑے پھنچے سامنے والی دیوار کو گھورتا رہا۔

”ہوں —“ اُس نے دانت کچکچائے۔ ”کس نے ثریا کو اغوا

کہا اور تمہیں کس نے بتایا۔“

”چند منٹ پہلے کپٹن فیاض نے فون کیا تھا۔“ سلیمان بتانے لگا۔

**عمران** ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ پھر قریب کھڑے بلیک زیرو کو دیکھ کر چونکتا ہوا بولا۔

”کیا بات ہے بلیک زیرو — کیا کوئی اطلاع ہے۔“

”سلیمان کا فون ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔“ بلیک زیرو

نے پریشان لہجے میں کہا۔

”اوہ —“ عمران گھڑی پر وقت دیکھتا ہوا بولا۔ ”نامحقوق

کو اُس وقت فون کرنے کی کیا مصیبت تھی۔“

بلیک زیرو نے خاموشی سے ریسور اٹھا کر اُس کی طرف بڑھایا اور عمران

نے ریسور لئے لیا۔

”ہیلو باورچی خانے۔“ وہ احمقانہ لہجے میں بولا۔ ”کیا موگ کی وال

تمام دشمن میری طاقت سے واقف ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ عمران انھیں زمین کی ساتویں تہہ سے بھی نکال سکتا ہے۔ آپ نام بتائیں۔

”اُس کا نام سنگ ہی ہے۔“ رحمن صاحب کی آواز آئی۔

”سنگ — ہی —“ عمران نے دانت کچکا ہٹے۔

”ماں — وہ رقعہ چھوڑ گیا ہے تمہارے نام کہ اگر ثریا کی زندگی اور عزت چاہتے ہو تو پروفیسر بقراط کی نوٹ بک اُس کے حوالے کر دو۔“

رحمن صاحب نے بتایا۔ ”تمہاری ماں کو غشی کے دورے پڑ رہے ہیں۔“

”آپ اُن کا خیال رکھیں ڈیڈی؛ عمران کی آواز میں تھر کی بجلیاں

کو زبردستی تھیں۔“ سنگ ہی جانتا ہے کہ ثریا عمران کی بہن ہے۔ ادا اگر اُس نے ثریا کی طرف انگلی بھی اٹھائی تو میں زیر ولینڈ کو خون کے سمندر میں ڈبو دوں گا۔“

”مگر بیٹے —“ رحمن صاحب کی آواز بھر اگئی۔ ایک طویل

عرصہ بعد اُصافوں نے عمران کو ”بیٹے“ کے لفظ سے مخاطب کیا تھا۔ عمران کے دل پر گھونسا پڑا۔ وہ تڑپ کر بولا۔

”ڈیڈی — آپ دل نہ چھوڑیں۔ آپ کا بیٹا ہزاروں پر بھاری

ہے۔ سنگ ہی جیسے ٹوٹ پونجیے مجرم جب میرے شکبجے میں آتے ہیں تو اُن کی نسلیں بھی جرائم سے توبہ تائب ہو جاتی ہیں۔“ عمران کا لہجہ زندگی آمیز ہوتا

چلا گیا۔ ”آپ اب تک مجھے نالائق سمجھتے رہے ہیں مگر اب میں ثابت کر دوں

میں سے بڑے صاحب نے اطلاع دی تھی۔ فیاض نے مجھے ہدایت کی تھی کہ آپ جہاں بھی ہوں آپ تک یہ اطلاع پہنچا دوں کہ ثریا بی بی کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ اور یہ نصف گنڈہ پہلے کا واقعہ ہے۔

عمران نے جلدی سے کمر پٹیل دبا کر سلسلہ منقطع کیا اور اپنے گھر کے نمبر ملانے لگا۔ بلیک زیر و سلیمان اور عمران کی گفتگو سے سمجھ چکا تھا کہ کیا معاملہ ہے اس لیے اُس نے عمران کو مخاطب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ دیے بھی عمران اس وقت پھر ا ہوا بیٹھ یا لگ رہا تھا۔

”ہیلو — رحمن اسپیکنگ۔“ سلسلہ ملنے پر رحمن صاحب کی بھرائی ہوئی آواز سنائی۔

”ڈیڈی۔ میں عمران ہوں۔“ وہ دانت پیچھتا ہوا بولا۔

”اوہ — نالائق —“ رحمن صاحب یکدم دھاڑے۔ ”اب کس لیے فون کیا ہے۔ کیا رکھتا ہے یہاں۔ تمہارے دشمن محض تمہاری وجہ سے ثریا کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔“

”ڈیڈی — صبر کیجئے۔“ عمران کے جھڑپے بھینچ گئے تھے۔ ”آپ صرف اُس دشمن کا نام بتا دیجئے پھر دیکھئے میں کس طرح اُس کی بوٹیاں فوجیتا ہوں۔“

”تم — تم آج تک اُس کا بال بھی بیک نہیں کر سکے تو اب کیا کر لوگے“ رحمن صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”کون ہے وہ — جلدی بتائیے۔“ عمران تیزی سے بولا۔ ”میر۔“

”سوری سر —!“ بلیک زیرو شرمندگی سے سر جھکا کر بمشکل کہہ سکا۔

مگر بلیک زیر و زبر کے بغیر کمرے سے نکل گیا۔ عمران نے دیوار پر لگے اسکرین کی طرف دیکھا۔ بلیک زیر و زبر و کمپاؤنڈ میں کھڑی کار کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ کار میں بیٹھا کوجوزف نے گیٹ کھول دیا۔ اور بلیک زیر و زبر کی کار باہر نکل گئی۔ عمران نے طویل سانس لیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر تنویر کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اُس نے باری باری تمام ممبران کو بحیثیت ایکسٹرنل کے اغوا کی اطلاع دیتے ہوئے مختلف ہدایات جاری کیں۔ پھر آخر میں جولیا کو فون کیا۔ مگر انی دیر تک گھنٹی بجتی رہی اور جولیا نے کال ریسیور کی تو وہ فکرمند ہو گیا۔

یقیناً وہ اپنے فلیٹ پر موجود نہیں تھی۔ اُس نے وایج ٹرانسمیٹر پر اُس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر اب بھی اُسے ناکامی ہوئی۔

چند لمحوں تک سوچنے کے بعد اُس نے خاور کو فون پر ہدایات دیں۔  
 ”جو لیا کے فلیٹ جاؤ اور معلوم کرو کہ وہ فلیٹ پر ہے یا نہیں۔“  
 تقریباً نصف گھنٹہ بعد فون کی گھنٹی بجی اور اُس نے ریسپورسٹا لیا۔  
 ”یس۔ ایکسٹوا سپیکنگ۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں

بولی۔

”خاور بول رہا ہوں چیف۔“ خاور کی آواز آئی۔ ”میں جو لیا اپنے فلیٹ پر نہیں ہیں۔ اُنہیں اغوا کر لیا گیا ہے۔“  
 اس اطلاع پر عمران ایک بار پھر پریشان ہو کر رہ گیا۔

**بلیک** زیرودانش منزل سے نکل آیا مگر اب سوچ رہا تھا کہ سنگ ہی کو کہاں تلاش کرے۔ دفعتاً اُسے استاد جبرو کا خیال آیا۔ اُس نے صدیقی کو جبرو کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔ اُس نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ کچڑا اور دوسرے ہاتھ سے وایج ٹرانسمیٹر پر صدیقی کی فریکوئنسی سیٹ کر کے ٹرانسمیٹر آن کر دیا۔

”ہیلو صدیقی۔ ایکسٹوا کنگ اور۔“ اُس نے ایکسٹوا کے مخصوص لہجے میں کہا۔

”یس سر۔“ چند لمحوں بعد صدیقی کی آواز سنائی دی۔ ہے۔  
 ”صدیقی اٹنیڈنگ اور۔“

”کیا حالات ہیں۔“ بلیک زیرو نے پوچھا۔

”سر۔۔۔ جبرو کا ہٹل بند ہو چکا ہے مگر جبرو ابھی تک باہر نہیں آیا۔ شاید وہ ہٹل میں سوتا ہے۔“ صدیقی نے بتایا۔  
 ”ہٹل میں داخل ہونے کا کوئی عقبی راستہ بھی ہے۔“ بلیک زیرو نے سوال کیا۔

”جی ہاں۔۔۔ مگر ادھر دروازے پر قفل پڑا رہتا ہے۔ کیونکہ ادھر سے بالائی منزل کو زینے جاتے ہیں۔“  
 ”اچھا۔۔۔ میں آ رہا ہوں۔ تم فرٹ کی نگرانی کر کے رہو۔“  
 بلیک زیرو بولا۔ ”ادور اینڈ آل۔“

اُس نے ٹرانسمیٹر وائچ کا ونڈ بٹن اندر کو دبایا اور اگلے چوک سے کاردارا بستی کو جانے والی سڑک پر موڑ دی۔ چند منٹ بعد وہ بستی میں داخل ہوا۔ بستی اس وقت سائٹ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اُس نے جبرو کے ہٹل کے عقب سے گزرنے والی گلی کی نکتہ پر کاررو کی اور انجن بند کر کے اتر آیا۔ پھر محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھا ہوا گلی میں داخل ہوا اور آگے بڑھنے لگا۔ گلی میں نیم تاریکی تھی۔ وہ احتیاط سے چلتا ہوا ہٹل کے عقبی دروازے کے پاس پہنچا اور یہ دیکھ کر اُسے اطمینان ہوا کہ دروازہ متفصل نہیں تھا۔ اُس نے کوئی آواز پیدا کیے بغیر دروازہ کھولا۔ اندر اُپر جانے کے لیے زینے تھے۔ وہ دبے پاؤں زینے چڑھنے لگا۔ بالائی منزل پر پہنچ کر وہ رکا اور یک لمحہ کے لیے ویران راہداری کا جائزہ لینے کے بعد قدموں کی چاپ پیدا کیے بغیر بائیں ہاتھ کے کیسرے کرے کی طرف بڑھنے لگا جس میں روشنی ہو

رہی تھی مگر اُس کا دروازہ بند تھا۔ جونہی وہ قریب پہنچا، اُس کمرے سے ایک تیز کرناک چیخ بلند ہوئی اور بلیک زیرو اُچھل پڑا۔

دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے دروازے کی طرف جھٹکا مگر اسی لمحے دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور ایک نقاب پوش دوڑتا ہوا باہر نکل کر بلیک زیرو سے آٹکرایا۔ بلیک زیرو لڑکھڑا گیا۔ اُس کے سنبھلنے سے پہلے ہی نقاب پوش نے زینوں کی طرف جستن کی اور زینے اُترتا چلا گیا۔ بلیک زیرو نے سنبھل کر ایک لمحہ کے لیے سوچا اور پھر زینوں کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ کمرے سے اُبھرنے والی چیخ اُستاد جبرو کی ہی ہو سکتی تھی۔ شاید نگ ہی نے اُسے قتل کر دیا تھا۔ اس بات کا بھی امکان تھا کہ وہ نقاب پوش خود سنگ ہی رہا ہو۔

وہ زینے اُتر کر عقبی گلی میں پہنچا تو نقاب پوش گلی کے اختتام کی طرف دوڑتا جا رہا تھا۔ بلیک زیرو نے تیزی سے وائچ ٹرانسمیٹر آن کیا اور دوڑنا ہوا بولا۔

”ہیلو صدیقی۔ ایکسٹو کا لنگ۔“

”یس سر۔۔۔“ فوراً ہی صدیقی کی آواز سنائی دی۔ ”صدیقی اینڈنگ۔“

”عقبی گلی کی مغربی نکتہ پر پہنچو۔ ایک نقاب پوش اُس طرف جا رہا ہے۔ اُس کا پیچھا کرو۔ ٹرانسمیٹر آن ہی رہنے دو۔ ہری اپ۔ اپنی کار میں ادھر آؤ۔“ اُس نے ہدایات دیں۔



بلیک زیرو کی کارگلی کے دوسرے اینڈ پر تھی جبکہ نقاب پوش مخالف سمت میں دوڑ رہا تھا۔ اس بات کا امکان تھا کہ گلی کے باہر اُس کی گاڑی موجود ہو۔ بلیک زیرو سے اُس کا فاصلہ تیس پچیس فٹ قدم سے کم نہ تھا اور وہ گلی کے اختتام پر پہنچنے والا تھا۔ بلیک زیرو اور تیزی سے دوڑنے لگا۔ وہ ہر قیمت پر اُسے پکڑنا چاہتا تھا۔ نقاب پوش گلی سے نکلا اور بائیں جانب مڑ کر نگاہوں سے اوچھل ہو گیا۔ بلیک زیرو گلی کی نکتہ پر پہنچا اور اسی لمحے صدیقی کی کار اُس کے سامنے سے گزر گئی۔ اُس نے بائیں سمت دیکھا۔ میں سمجھیں قدم آگے ایک کار دوڑتی جا رہی تھی۔ یقیناً اُس میں نقاب پوش تھا۔ بلیک زیرو نے جلدی سے وایج ٹرانسمیٹر پر صدیقی کو مخاطب کیا۔

”اگلی کار کا احتیاط سے تعاقب کرو۔ میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں۔ مجھے کاٹیڈ کرنا۔“

”دراٹ سر۔۔۔“ صدیقی نے مودبانہ لہجے میں کہا۔ اور بلیک زیرو پلٹ کر ہٹل کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہ ہٹل کے سامنے سے گزرا تو اُس کا گیٹ بند تھا۔ ہٹل کی دوسری جانب گلی کی نکتہ پر اُس کی کار کھڑی تھی۔ وہ کار میں بیٹھا انجن اسٹارٹ کر کے صدیقی کے پیچھے چل دیا۔

”ہیلو چیف۔۔۔ وہ کار پرنس چوک سے وائیں ہاتھ مڑ گئی ہے۔“

”اُسے اپنے تعاقب کا نتیجہ تو نہیں ہوا۔؟“ بلیک زیرو نے پوچھا۔

”شاید نہیں۔۔۔“ صدیقی بولا۔ ”ویسے وہ خاصی رفتار سے

جا رہا ہے۔“

بلیک زیرو کچھ نہ بولا۔ چوک سے اُس نے کار وائیں جانب موڑی اور رفتار میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ آگے ایک اور چوک تھا۔ چوک عبور کر کے وہ سیڑھا چلتا رہا۔ اسی لمحے صدیقی کی آواز وایج ٹرانسمیٹر پر سنائی دی۔

”ہیلو چیف۔۔۔ اب وہ پھر بائیں سمت مڑ گیا ہے۔“

”دراٹ۔۔۔ میں اُس سڑک پر پہنچنے والا ہوں۔“ بلیک زیرو نے کہا۔

جلدی وہ اگلے چوک پر جا پہنچا۔ وائیں جانب سے ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں۔ یقیناً وہی نقاب پوش کی کار تھی۔ بلیک زیرو نے اُسی سمت کار موڑ دی اور جیب سے ریو لوئر نکال لیا۔ تیز رفتار کار چند لمحوں میں قریب پہنچی۔ اُس کے پیچھے صدیقی کی کار تھی۔ بلیک زیرو نے کار ایک جانب ہٹائے ہوئے سامنے سے آنے والی کار کے اگلے ٹائر پر فائر کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے ایک دھماکہ ہوا اور وہ کار ٹکڑ ٹکڑاتی ہوئی دوسری جانب کے فٹ پاتھ کی طرف پھینکی۔ ٹھیک اسی لمحے اُس کا دروازہ کھلا اور نقاب پوش نے سڑک پر بھلا ہنگ لگا دی۔

بلیک زیرو بھی تیزی سے اُٹھا اور اسی لمحے صدیقی کی کار قریب آرکی۔ بلیک زیرو نے اُسے ہاتھ سے دوسری گلی میں جانے کا اشارہ کیا اور خود اُس گلی کی طرف دوڑ پڑا جس میں اُس نے نقاب پوش کو داخل ہوتے دیکھا تھا۔ نقاب پوش اُس سے پندرہ فٹ قدم آگے جا رہا تھا اور تارک ایک گلی میں اُس کا

چم بہو لاسا دکھائی دے رہا تھا۔ بلیک زیرو نے ریوا اور نکال کر اُس پر غائر کیا۔ بے آواز ریوا اور کی گولی انگارے کی مانند دکھتی ہوئی نقاب پوش کی طرف پکی اور دوسرے ہی لمحے بلیک زیرو نے اُسے گرنے دیکھا۔ وہ رُکے بغیر دوڑتا ہوا نقاب پوش کے پاس پہنچا ہی تھا کہ اچانک نقاب پوش نے اُس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر جھٹکا دیا اور بلیک زیرو کھٹے ہوئے شہتیر کی مانند گلی کے فرش پر آگرا۔ گرنے سے بلیک زیرو کے ہاتھ سے زخف ریوا اور پھوٹ گیا بلکہ فرش سے سرُکرائے کے باعث ایک دو لمحوں کے لیے اُس کے حواس معطل ہو گئے اور نقاب پوش نے اُس کے سینے پر چڑھ کر اُس کی گردن پر ہاتھ جمادیے۔ فوراً ہی بلیک زیرو کو ہوش سا آگیا اور اُس نے نقاب پوش سے اپنی گردن چھڑانے کی جدوجہد شروع کر دی لیکن نقاب پوش کی گرفت خاصی سخت تھی۔ بلیک زیرو کا لمحہ بہ لمحہ دم گھٹتا جا رہا تھا۔ اُس نے آخری حربے کے طور پر نقاب پوش کے پسلیوں میں کراٹے کا وار کیا اور وہ کراہتا ہوا بائیں طرف ہٹ چکا گیا۔ بلیک زیرو تیزی سے کھڑا ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے نقاب پوش کے پہلو میں زور سے مٹھو کر سید کی اور نقاب پوش کراہتا ہوا کروٹ بدل گیا۔ بلیک زیرو نے جلدی سے جھک کر اُس کے سر کے بال مٹھی میں جکڑے اور اُس کا سر فرش سے بلند کر کے پھر فرش پر دے مارا۔

نقاب پوش کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخ خارج ہوئی اور اُس کی کراہیں دم توڑنے لگیں۔ بلیک زیرو نے بائیں ہاتھ کا مٹکا اُس کی کندھی پر رسید کیا اور اُس آدمی نے ہاتھ پاؤں ڈال دیے۔ انہی لمحے گلی کی دوسری جانب سے صدیقی

گلی میں داخل ہوتا دکھائی دیا اور بلیک زیرو نے جلدی سے نقاب پوشوں کا سیاہ نقاب نوچ کر اپنے چہرے پر لگا لیا۔

صغدر نے چونک کر سر اٹھایا تو اُس کی میز کے پاس ایک بوڑھا شخص کھڑا  
فاتنوں کی نمائش کر رہا تھا۔ لیکن فوراً ہی صغدر کو احساس ہو گیا کہ وہ ہنس  
رہا تھا بلکہ اُس کے اوپر ہی دانت باہر نکلے ہوئے تھے جس سے لگتا تھا کہ وہ  
ہنس رہا ہے۔ اُس کی آنکھوں پر سفید شیشوں کا چشمہ اور چہرے پر گفنی وارٹھی  
نظر آ رہی تھی۔ وارٹھی اور مونچھوں کے بال سفید تھے اور عمر کے لحاظ سے وہ  
سامٹھ برس سے کم نظر نہ آتا تھا۔ لباس بھی سلتے کا تھا اور سر پر فلیٹ کیپ  
رکھی ہوئی تھی۔

”جی فرمائیے —“ صغدر نے نرم لہجے میں کہا۔

”اوہ — کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں ہے —“ بوڑھے نے  
چونکتے ہوئے کہا۔

اور صغدر کے سامنے والی گرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ صغدر نے  
ناگواری سے سر ہلایا۔

”سوری — میں آپ کو نہیں پہچان سکا۔“ صغدر نے مُنہ  
بنا کر کہا۔

”کمال ہے رمضان بیٹے —“ بوڑھے نے حیرت سے پلکیں  
چمکائیں۔ ”حالانکہ تم نے کچھ دیر پہلے ہی اللہ و تر کی مال یعنی کہ اپنی چچی کو فون  
کر کے کہا تھا کہ تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو اور اس ہوٹل میں ناشتہ پر میرا انتظار  
کر رہے ہو۔“

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے جناب — میرا نام رمضان نہیں

صبح کے ساڑھے آٹھ بجے صغدر ہوٹل کے ہال میں بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔  
روں سفید نام اپنے کمرے میں تھے۔ صغدر نے اُن کی نگرانی کرنے کے  
لیے رات ہی ہوٹل میں ایک کمرہ لے لیا تھا۔ وہ کمرہ دونوں سفید ناموں کے کمرے  
کے تقریباً سامنے تھا۔ چونکہ صغدر کو اُن دونوں کی گفتگو سننے سے اندازہ ہو  
گیا تھا کہ وہ صبح تک کہیں نہیں جائیں گے اس لیے وہ بھی سو گیا تھا۔ چند منٹ  
پہلے وہ ناشتہ کے لیے اپنے کمرے سے نکلا تو اُس نے کمرہ نمبر دس اور گیارہ  
میں جھانکنا تھا اور وہ دونوں ابھی سو رہے تھے۔ صغدر نے مناسب سمجھا  
تھا کہ وہ ناشتہ سے فارغ ہو جائے۔ شاید دوبارہ کچھ کھانے پینے کا جلدی  
موقع نہ ملے۔

”ہیلو بر خور وار —“ دفعتاً ایک کھانتی ہوئی آواز سنائی دی۔

صفر نے مسکرا کر کہا۔  
 ”جیرت ہے۔“ بڑھے نے ایک سلاٹس اٹھا کر منہ میں ٹھونکتے ہوئے  
 دیکھے کہیں تم نے اپنا نام تو نہیں بدل ڈالا۔ کیونکہ شکل تو بالکل پہلے والی  
 ہے متقاری۔“

”دیکھئے جناب — زمیں رمضان ہوں اور زمیں آپ کو پہچانتا ہوں۔“  
 صفر نے قدرے غصیلے لہجے میں کہا۔

”یہ تو اور بھی جیرت کی بات ہے بیٹے۔“ بڑھا ایک انڈہ اٹھا کر منہ میں  
 رکھتا ہوا بولا۔ ”حالانکہ مجھے شہر کا بچہ بچہ جانتا پہچانتا ہے اور ہر شخص میری  
 عزت کرتا ہے۔“

”مگر میں نہیں جانتا۔“ صفر جھنجھلا کر بولا۔ ”براہ کرم آپ تشریف  
 ”خیر۔۔۔“ بڑھا اُس کی بات کاٹتا ہوا بولا۔ ”نہیں جانتے تو  
 میں نے سرے سے تعارف کرا دیتا ہوں۔ میرا نام اے بی آملہ ہے۔ یعنی  
 اللہ بخشش آملہ۔ آملہ میرا تخلص ہے۔ کئی لوگ مجھے صرف مسٹر آملہ کہتے ہیں۔  
 ہفت روزہ اخبار ”جنگ و ہمدل“ کا چیف ایڈیٹر ہوں۔ میری شاعری  
 کے اب تک بارہ مجموعے چھپ چکے ہیں۔“

وہ ایک لمحہ کے لیے خاموش ہوا اور ایک خالی کپ میں اپنے لیے چائے  
 بناتا ہوا دوبارہ کہنے لگا۔

”خیر — یہ تو ضمنی باتیں ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ مجھے کس سلسلے میں یاد کیا  
 تھا۔ دیکھو سکف مت کرو۔ جو بھی پرالم ہو کھل کر بتا دو۔ پریس سے تعلق

ہونے کے سبب ہر محکمہ میں میری مانی جاتی ہے۔ پولیس والے تو اپنے غلام  
 اور وہ اس خوف سے مجھے خوش رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ کہیں میں بیٹے  
 اخباریں اُن کے خلاف نہ کچھ لکھ بیٹھوں۔“

صفر ہونٹ پیچنے بڑھے کو گھور رہا تھا جو زبان چلانے کے ساتھ ساتھ جاتے  
 کے گھونٹ بھی لے رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس مصیبت سے کیسے بچھا چھڑایا  
 جائے۔ جو نہی بڑھا سانس لینے کے لیے خاموش ہوا۔ صفر آہستہ سے  
 بگڑا۔

”مسٹر آملہ — اب خاموشی سے دفع ہو جاؤ ورنہ بڑی بری طرح  
 یش آؤں گا۔“

”اوہ — ناراض کیوں ہوتے ہو بدخودار — چائے تو پینے دو۔“  
 بڑھا آواز بدل کر بولا۔

اور صفر بے اختیار اُچھل پڑا۔ وہ اُسے آواز سے پہچان گیا تھا۔  
 ”اوہ — عمران صاحب — آپ —“ اُس کے منہ  
 سے بے اختیار نکلا۔

”نہیں — تو —“ بڑھا یکدم بوکھلا کر بولا جو کہ  
 صل میں عمران ہی تھا۔

”معلوم ہوتا ہے سلیمان نے آپ کو ناشتہ دینے سے انکار کر دیا ہے  
 آپ سیدھے یہاں دوڑے چلے۔“ صفر نے مسکرا کر کہا۔

”سلیمان کا قصور نہیں ہے پیارے۔ قصور تو اُن دو کا مذاروں کا ہے

جنہوں نے آج ادھار دینے سے انکار کر دیا اور اپنے سابقہ بلوں کی وصولی کے لیے میرے فلیٹ کے باہر دھڑنار سے بیٹھے ہیں۔ مجبوراً مجھے میک اپ کر کے وہاں سے فرار ہونا پڑا۔“

”میری بھانجے آپ فیاض سے یہ بات کہتے تو شاید وہ ہزار پانچ سو روپے کی امداد کر دیتا۔“ صفدر نے ہنستے ہوئے کہا۔

”گو یا تم میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔“ عمران نے مایوسی سے سر ہلایا۔  
 ”دعاے خیر کر سکتا ہوں یا کہیں تو ایک پیالی چائے اور بلا سکتا ہوں۔“ صفدر نے کہا۔ ”ویسے آپ کو میری یہاں موجودگی کا کیسے علم ہوا تھا۔؟“

”مجھے علم نہیں ہوتا الہام ہوتا ہے پیارے۔“ عمران نے احمقانہ لہجے میں کہا۔

”ناممکن۔۔۔ یقیناً آپ کو چیف نے بتایا ہوگا۔“ صفدر نے بے یقینی سے کہا۔

”ہاں۔۔۔“ عمران طویل سانس لے کر سنجیدہ لہجے میں بولا۔  
 ”رات میری بہن شرمیلا کو اغوا کر لیا گیا ہے۔“

”اوہ۔۔۔ نہیں۔۔۔“ صفدر متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

”اور اغوا کرنے والا چچا ولد الحرام ہے۔“ عمران نے مزید بتایا۔

”سنگ ہی۔۔۔“ صفدر چونکتا ہوا بولا۔ ”مگر اُس خمیٹ کمرات بچھا کریں گے۔“ عمران نے کہا۔

”اُوپر اپنے کمرے میں سو رہے تھے۔ اب شاید جاگ پڑے ہوں۔“  
 ”معلوم کر کے آؤ۔“ عمران نے کہا۔ ”میں یہاں بیٹھا ہوں۔“  
 صفدر خاموشی سے اُٹھا اور زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ وہ نینے چڑھ کر اُوپر پہنچا تو کمرہ نمبر گیارہ کا سفید نام کمرہ نمبر دس میں داخل ہو رہا تھا۔ صفدر بے پاؤں چلتا ہوا اُس کمرے کے دروازے پر پہنچا اور جھک کر کی ہول سے آنکھ لگا دی۔ وہ دونوں اندر موجود تھے۔ ایک کے ہاتھ میں ریسور تھا اور وہ کہہ رہا تھا۔

”بہت بہتر مادام۔۔۔ ہم پندرہ منٹ میں پہنچ رہے ہیں۔“

اُس نے ریسور رکھا اور صفدر بے آواز قدموں سے پلٹ کر زینوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ زینے اُتر کر وہ ہال میں پہنچا اور عمران کے سامنے بیٹھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

”وہ اپنی مادام کے حکم پر روانہ ہو رہے ہیں۔ اُن میں سے ایک نے فون پر مادام سے بات کی ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ بل ادا کر کے باہر آجاؤ۔ ہم دونوں علیحدہ علیحدہ اُن کا

اور اٹھ کر ہال کے خارجی دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ صفدر اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ اُس نے بل ادا کیا اور اسی لمحے دونوں سفید نام زینہ اُترتے دکھائی دیے۔ صفدر اُن پر سرسری نظر ڈالتا ہوا خارجی دروازے کی طرف چل دیا۔ ہوٹل سے باہر آیا تو عمران چند قدم آگے ایک کار میں بیٹھا دکھائی دیا۔ صفدر نے اُس کے قریب پہنچ کر کہا۔

”وہ دونوں باہر آ رہے ہیں۔ اُن کی کار کپاؤنڈ میں کھڑی ہے۔“

یہ کہہ کر وہ اپنی کار کی طرف بڑھتا چلا گیا جو چند قدم آگے کھڑی تھی۔ وہ کار میں بیٹھا اور ہوٹل کے گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک منٹ بعد ہوٹل سے سفید فاموں کی کار نکلتی دکھائی دی اور اُس نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔ سفید فاموں کی کار تیزی سے ایک سمت دوڑتی چلی گئی۔ ایک لمحہ بعد عمران کی کار اُس کے پیچھے روانہ ہوئی اور صفدر نے سبھی کار آگے بڑھا دی۔ عمران کی کار اُس سے پندرہ سولہ قدم کے فاصلے پر دوڑ رہی تھی جبکہ سفید فاموں کی کار عمران سے دس پندرہ قدم آگے دوڑتی جا رہی تھی۔

## پوچھان

ایکسٹو کے حکم پر آٹھ بجے ہی فلیٹ سے چل پڑا تھا۔ یا اُس کے کسی ساتھی کو تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ یہ آسان کام نہ تھا لیکن اس بات کا امکان تھا کہ کسی ہوٹل میں سگ ہی یا اُس کے کسی ساتھی سے مڈبھڑ ہو جائے۔ چنانچہ تین چار ہوٹلوں میں چائے کی ایک ایک پیالی پینے کے بعد اُس نے یوگنڈا ہوٹل کے سامنے سے گزرتے ہوئے کار روک دی۔ اب تک اُس نے صرف چائے ہی پی تھی مگر اب وہ مکمل ناشتہ کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے انجن بند کر کے اُترتے ہوئے گھڑی پر وقت دیکھا۔ ساڑھے نو بجے تھے۔ کار لاک کر کے وہ ہوٹل کے گیٹ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اندر سے ایک سفید نام نکلتا دکھائی دیا۔ اُس نے نیلے رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا اور



”سر۔۔۔ میں ایک ایسے غیر ملکی کا تعاقب کر رہا ہوں جس کی فرسٹ کٹ  
 ڈاڑھی نقلی ہے۔“ چوہان نے ٹوہانہ لہجے میں کہا۔  
 اور تفصیل سے رپورٹ دینے لگا۔ اُس کے خاموش ہونے پر ایکسٹو  
 کی آواز آئی۔

”اُس کا احتیاط سے تعاقب کرو۔ اور تعاقب کے اختتام پر رپورٹ  
 دینا۔“

”رائٹ سر۔۔۔ میں خیال رکھوں گا۔“ چوہان نے کہا۔  
 ”اُسے کسی صورت میں اپنے تعاقب کا پتہ نہیں چلنا چاہیئے۔“ ایکسٹو  
 نے آخر میں کہا۔ ”اور اینڈ آل“

چوہان نے ورج ٹرانسمیٹر آف کیا اور پوری توجہ سے سفید فام کی ٹیکسی  
 کا تعاقب کرنے لگا۔ چند منٹ بعد ٹیکسی شہر سے باہر نکل آئی اور پہاڑی علاقہ  
 کو جانے والی سڑک پر دوڑنے لگی۔ چوہان سوچنے لگا کہ سفید فام کی منزل  
 بہادر پور ہے یا اُس سے آگے۔ بہادر پور وہاں سے بیس میل کے فاصلے  
 پر پہاڑوں میں گھرا ہوا ایک چھوٹا سا مکہ خوبصورت شہر تھا۔ آزاد ریاست  
 ہریانہ کا صدر مقام ہونے کے سبب اُسے علاقے میں خاصی اہمیت حاصل تھی۔  
 پاکیشیا میں آنے والے غیر ملکی سیاح وہاں سارا سال آتے جاتے رہتے تھے۔  
 خاص طور پر برفانی موسم میں تو وہاں کے ہوٹلوں میں بمشکل ہی کوئی کمرہ خالی ملتا  
 تھا۔ برفباری دیکھنے کے شوقین ملکی و غیر ملکی باشندوں کے وہاں جھگڑے نظر  
 آتے تھے اور اُس ریاست کا سب سے بڑا ذریعہ آمدن سیاح ہی ہوتے تھے۔

چہرے پر فرسٹ کٹ ڈاڑھی نظر آرہی تھی۔  
 گیٹ سے باہر آکر وہ فٹ پاتھ پر کھڑا ہو گیا۔ شاید اُسے کسی ٹیکسی کا انتظار تھا  
 چوہان نے اُس کے قریب سے گزرتے ہوئے غور سے اُس کا جائزہ لیا اور چونک  
 پڑا۔ سفید فام کی ڈاڑھی قطعی مصنوعی تھی۔ یقیناً وہ میک اپ میں تھا اور  
 چوہان کو بھی کسی ایسے ہی سفید فام کی تلاش تھی۔ چنانچہ وہ ہوٹل کے گیٹ میں  
 داخل ہوا اور گیٹ کی آڑ میں رُک کر سفید فام کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک منٹ  
 بعد ایک خالی ٹیکسی سفید فام کے سامنے آئی اور وہ جھپٹی نشست پر بیٹھا نظر  
 آیا۔ پھر ٹیکسی وہاں سے روانہ ہوئی تو چوہان بھی تیزی سے باہر آیا اور اپنی کار کی  
 طرف لپکا۔ کار میں بیٹھ کر اُس نے ابجن اسٹارٹ کیا اور ٹیکسی کے پیچھے روا  
 ہو گیا۔

ٹیکسی اس دوران کافی آگے جا چکی تھی۔ چوہان نے رفتار بڑھائی اور چن  
 لحوں میں اُس سے تیس پینتیس قدم کے فاصلے پر پہنچ گیا۔ پھر یہ فاصلہ برقرار  
 رکھتے ہوئے وہ ٹیکسی کا تعاقب کرنے لگا۔ دفعتاً اُسے ایکسٹو کا خیال آیا۔  
 اُس نے مناسب سمجھا کہ ایکسٹو کو اطلاع دے دی جائے۔ ممکن ہے کہ  
 میں موقع نہ ملے۔ چنانچہ اُس نے ورج ٹرانسمیٹر کاؤنڈٹین باہر کھینچا اور ایکسٹو  
 کو کال کرنے لگا۔

”ہیلو چیف۔۔۔ چوہان کالنگ اور۔“

”ویس چوہان۔۔۔ ایکسٹو اینڈنگ اور۔۔۔“  
 ایکسٹو کی آواز سنائی دی۔

ریاست کی پولیس یا حوں کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کرتی تھی۔

چوہان کی معلومات کے مطابق والی ریاست سردار گل خان کے دو لڑکے تھے اور دونوں زبردست عیاش تھے۔ اپنے بوڑھے باپ کی ناپسندیدگی کے باوجود اُسوں نے وہاں اپنے ناٹ کلب بنائے ہوئے تھے جن میں شراب پینے پر کوئی پابندی نہیں تھی اور ملک کی معروف رقاصائیں اُن دونوں کلبوں میں روزانہ اپنے فن کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ ریاست کے دونوں جانشین سردار مہول خان اور سردار کلچر خان دہ پردہ زبردست قسم کے اسمگلر بھی تھے اور جواہری بھی۔ چنانچہ کلبوں کے نیچے تہہ خانوں میں زبردست جواہر ہوتا تھا۔ ریاستی قانون میں جوئے کی ممانعت تھی اس لیے وہ باقاعدہ جواہر خانے قائم نہ کر سکے تھے۔

ٹیکسی نصف گھنٹہ بعد بہادر پور کے قریب پہنچی تو چوہان نے ایک بار پھر وایج ٹرانسمیٹر پر ایکسٹوسے رابطہ قائم کر کے رپورٹ دی۔ جواب میں ایکسٹو نے کہا۔

”تنویر کو بھیج رہا ہوں۔ وہاں پہنچ کر تم سے رابطہ قائم کر لے گا۔ سفید نام پر کڑی نگاہ رکھنا۔“

”بہت بہتر سر۔۔۔ آپ بے فکر رہیں۔ وہ ابھی تک اپنے تعاقب سے انجان ہے۔“ چوہان نے کہا۔

رابطہ ختم ہونے پر اُس نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ ٹھیک اسی لمحے آگے جاتی ٹیکسی سڑک کے درمیان ٹک گئی۔ چوہان نے بھی بریک لگائی۔ وہاں سڑک

مافیہ سڑک تھی اور آگے نکلنا ناممکن تھا۔ اُس نے کار ٹیکسی سے دس قدم پیچھے ہی روک لی۔ چند لمحوں بعد ٹیکسی دوبارہ چل پڑی مگر اب اُس کی رفتار پہلے سے تیز تھی۔ چوہان نے بھی کار آگے بڑھاتے ہوئے رفتار میں اضافہ کر دیا۔ سڑک کے دونوں طرف اونچی نیچی چٹانیں اور گہری ڈھلانی تھیں۔ راستے میں کئی موڑ آتے تھے۔ ہر موڑ پر وارننگ کا بورڈ آویزاں تھا جس پر ”سخت احتیاط“ کے الفاظ لکھے تھے۔

اگلی ٹیکسی ایک موڑ پر لنگا ہوں سے اوجھل ہو گئی۔ چند لمحوں بعد چوہان بھی موڑ پر پہنچا جس سے آگے شہری حدود شروع ہوتی تھی مگر جونہی اُس نے کار موڑی، وہ بوکھلا گیا۔ آگے سڑک کے وسط میں ٹیکسی کھڑی تھی۔ بریک لگانے کا وقت نہیں تھا۔ دوسرے ہی لمحے اُس کی کار ٹیکسی کے پچھلے حصے سے ٹکرائی گئی۔ ایک زبردست دھماکہ ہوا اور دونوں گاڑیاں اُچھل کر سڑک کے کنارے پہنچیں اور ہزاروں فٹ گہرے نشیب میں لڑھکتی چلی گئیں۔

ایک لمحہ بعد دائیں جانب کی ایک چٹان کی آٹھ سے فریج کٹ ڈاڑھی والا سفید نام برآمد ہوا۔ وہ تیزی سے سڑک پار کر کے دوسرے کنارے پر پہنچا اور نشیب میں جھانکنے لگا۔ ٹیکسی اور کار نشیب میں کبھری چٹانوں اور پتھروں سے ٹکراتی اور ڈوٹی جھوٹتی لڑھکتی جا رہی تھیں اور دونوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔

سفید نام نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور پیدل ہی شہر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ چوہان سے صرف ایک فرلانگ دور رہ گیا تھا۔

”اوہ — کیا تم نے آنکھوں میں خور دہن فٹ کر وار کھی ہے ڈارلنگ۔“  
وہ چونک کر بولا۔

”اپنے محبوب کو ہر شخص بخوبی پہچان لیتا ہے چاہے وہ ہزار روپ بدل کر سامنے آئے“ تھریسیا نے کہا۔ ”اچھا ہوا تم آگئے ورنہ میں جولیہ کی لاش ہمارے فلیٹ بھیجنے والی تھی۔“

”کیوں بھاری کو خوفزدہ کر رہی ہو۔“ بوڑھا جو کہ عمران ہی تھا گھبراتا ہوئی آواز میں بولا۔ ”ابھی تو اس کے ہاتھوں میں مہندی بھی نہیں لگی۔“  
”میں اسے خون کی مہندی لگانا چاہتی ہوں عمران۔“ تھریسیا جولیہ کو گھورتی ہوئی بولی۔

”کہو اسے بند کر دے ورنہ —“ جولیہ غرائی۔ عمران کی آمد پر اس کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔  
”ہائیں — ہائیں — یہ کیا۔“ عمران بوکھلا کر بولا۔ ”تم عورتیں ہو یا جنگلی بلیاں —؟“

عمران کو ان کی طرف متوجہ دیکھ کر جیریکو نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالا اور دیواروں سے نکال لیا۔ مگر اسی لمحے دروازے کی طرف سے ایک خاموشی گولی آئی اور جیریکو نے چیخ کر اپنا بازو کھینچ لیا۔ دیواروں سے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ تھریسیا اور جولیہ نے دروازے کی طرف دیکھا تو وہاں صفر دیواروں پر لے کھڑا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر جولیہ کے ہاتھ کھولنے لگا۔

”اوہ — تم —؟“ تھریسیا نے اسے دیکھ کر جھڑپے مچنے لگی۔

**تھریسیا**، جیریکو اور جولیہ نے یک وقت پلٹ کر دوسرے کی طرف دیکھا اور متحیر رہ گئے۔ دروازے میں ایک بوڑھا شخص ہاتھ میں ریوالت لیے نظر کے چشے کی اوٹ سے ان کی طرف دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔  
دو جبر فرش پر خون میں لت پت پڑا تھا۔

”اوہ — کون ہو تم —؟“ تھریسیا غرائی۔  
”خادم کو پروفیسر بھڑا پتے ہیں۔“ بوڑھا غرا کر بولا۔ ”اس لیے —؟“  
”نہیں — تم پروفیسر نہیں ہو سکتے۔“ تھریسیا چونکتی ہوئی بولی۔  
”نہیں ہو سکتا نا —؟“ بوڑھا ہنسا۔ ”اسی لیے میں نے جھپوٹ دلا تھا۔ ورنہ میرا نام تو ڈاکٹر سنگدل ہے۔“  
”تم واقعی سنگدل ہو عمران —؟“ دفعتاً تھریسیا مسکرا کر بولی۔

”ہاں — یہ وہی برنخوردار ہے جس کے لیے تم نے رات ان دونوں کو اس کے غلیٹ پر بھیجا تھا۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔  
 ”و عمران —“ تھریسا سخت لہجے میں بولی۔ ”تم چلے جاؤ۔“  
 ”کہاں — برات لینے یا مولوی کو بلانے۔“ عمران نے احمقانہ لہجے میں پوچھا۔

”ایسا نہ ہو کہ میں اپنے فرض کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہیں قتل کر دوں۔“  
 تھریسا بولی۔  
 ”قتل تو تم مجھے ٹپ ٹاپ میں کر چکی ہو۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔ ”مگر میں شرم والا نہیں ہوں کہ آسانی سے مرجاؤں۔ ہاں تم آنکھ مار دو۔ میں خودکشی کر لوں گا۔“

”میں سنجیدہ ہوں عمران۔“ وہ غڑائی۔ ”چلے جاؤ۔ جاؤ۔“  
 ”اچھا — تم کہتی ہو تو ہوتا جاتا ہوں۔“ عمران نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔  
 پھر یکدم چونک کر بولا۔ ”اوہ — بچا سنگ ہی کہاں ہے۔“  
 ”وہ یہاں نہیں ہے۔“ وہ بولی۔ ”سنجانے کہاں ہو گا۔“  
 ”مجھے اُس کا پتہ بتاؤ۔“ عمران غزایا۔ ”میں اُسی کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔“  
 ”کیوں —“ تھریسا نے چونک کر پوچھا۔  
 ”اُس خبیث نے میری بہن کو اغوا کر لیا ہے۔“ عمران جیڑے سے بیچھینتا

ہوا بولا۔

اس خبر پر تھریسا کے ساتھ ساتھ جویا بھی چونکے بغیر رہ سکی تھی۔

”کیا واقعی —“ تھریسا نے حیرت سے کہا۔  
 ”ہاں — اور تم سنجو بی جانتی ہو۔“ عمران اُسے گھورتا ہوا بولا۔  
 ”نہیں عمران — مجھے تو ابھی پتہ چل رہا ہے۔“ تھریسا نے کہا۔ ”اور اگر واقعی اُس نے تمہاری بہن کو اغوا کیا ہے تو اُس نے اپنے حرامی پن کا ثبوت دیا ہے۔  
 قہقہے اُس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ بلکہ رات کے بعد اب تک میری اُس سے اتنا ملاقات نہیں ہوئی۔ اگر وہ خبیث مجھے اپنا پروگرام بتا دیتا تو میں اُسے کبھی قدم نہ اٹھانے دیتی اور اُسے ہر صورت میں باز رکھتی۔“  
 ”کچھ بھی ہو۔ میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گا تھریسا۔“ عمران ہیشٹاںک لہجے میں بولا۔ ”تم مجھے اُس کے ٹھکانوں کا پتہ بتا دو۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔  
 میں انتقام کی آگ میں جل رہا ہوں۔“  
 ”یقین کرو عمران ڈیر —“ تھریسا نے کہنا چاہا۔  
 مگر جویا نے اُس کی بات کاٹ دی جو ہاتھ آزاد ہونے کے بعد جیڑے کا یو اور اٹھا چکی تھی۔  
 ”دیکھو اسے بند کرو گتیا۔ تم اپنے آشنا کا پتہ جانتی ہو۔“ جویا غضب ناک بچے میں بولی۔  
 ”سواری کی بچی — تم چپ رہو۔“ تھریسا گری سے اٹھتی ہوئی دھاڑی۔  
 عمران کو دیکھ کر تم شیر ہو رہی ہو۔ مگر فیصلہ کر چکی ہوں کہ تمہیں عمران کے قابل میں چھوڑوں گی۔“  
 ”باہر کی کیا پوزیشن ہے۔“ عمران نے صفر سے پوچھا جو چیرکیو

کو دیوالور سے کوریکے ہوئے کھڑا تھا۔

”بس وہی دونوں تھے۔ ایک گیسٹ پر بے ہوش پڑا ہے۔ دوسرا جس کا سینہ زخمی تھا بھاگنے کی کوشش میں مارا گیا۔“ صفدر بولا۔

جولیا اور تقریباً ایک دوسرے پر غراہی تھیں۔ دفعتاً تقریباً نے دانت کچکپاتے ہوئے جولیا پر پھلانگ لگا دی۔

جولیا کے ہاتھ سے دیوالور گر گیا اور وہ تقریباً کے ساتھ فرش پر آگری۔ اور دونوں ایک دوسرے کو فرش پر رگیدنے لگیں۔

”ارے — ارے — چھوڑو۔“ عمران بکھلا کر بولا۔ ”تقریباً ڈارلنگ — کیا کر رہی ہو —“

”میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ جولیا غرائی۔ ”میں اس کا خون پی جاؤں گی۔“

اس کے ساتھ ہی اُس نے تقریباً کو دونوں پاؤں پر اچھال دیا۔ تقریباً عمران سے جا ٹکرائی اور عمران لٹکھڑا گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، تقریباً نے دروازے کی طرف جست کی اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ اُس کے دوڑتے قدموں کی آہٹیں سن کر عمران تیزی سے آگے بڑھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ وہ دوڑتا ہوا برآمدہ اور پھر کپاؤنڈ میں آیا مگر تقریباً پھلاوہ کی مانند غائب ہو چکی تھی۔

**تنویر** کی کار بہادر پور جانے والی سڑک پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ وہ ایک سڑکی ہدایات پر چوہان کے پیچھے آیا تھا جو کسی غیر ملکی کا تعاقب کر رہا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف اُوپچی نیچی چٹانوں کے سلسلے شروع ہو چکے تھے اور سڑک بھی بتدریج بلند ہوتی جا رہی تھی۔ تنویر نے وائچ ٹرانسمیٹر کاؤنڈ بٹن باہر کھینچا اور چوہان کی فریکوئنسی سیٹ کر کے اُسے کال کرنے لگا۔

”ہیلو چوہان — تنویر کالنگ ادور۔“

وہ کئی سیکنڈ تک بولت رہا مگر چوہان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ شاید وہ پچاس میل سے زائد فاصلہ پر تھا۔ تنویر نے ٹرانسمیٹر آف کیا اور سوچنے لگا کہ چوہان اور سفید نام بہادر پور سے کہیں آگے جا چکے

میں یا جوہان سے رابطہ قائم نہ ہونے کی کوئی اور وجہ ہے۔ دس منٹ بعد اُس نے دوبارہ جوہان کو وائچ ٹرانسمیٹر پر کال کرنے کی کوشش کی۔ بہادر پور اب وہاں سے صرف ایک کلومیٹر دور رہ گیا تھا۔ مگر اس بار بھی جوہان نے کال ریسپونڈ کی تھی۔ تنویر نے مناسب سمجھا کہ ایکسٹو کو مطلع کر دے۔ چنانچہ اُس نے ٹرانسمیٹر پر ایکسٹو کی فریکوئنسی سیدٹ کی اور بولنے لگا۔

”ہیلو چیف — تنویر کالنگ اور۔“

”یس تنویر — ایکسٹو ریسپونڈ اور۔“ چند لمحوں بعد ایکسٹو کی آواز ٹرانسمیٹر وائچ سے خارج ہوئی۔

”سر — جوہان سے رابطہ قائم نہیں ہو رہا، تنویر نے اطلاع دی۔“

”اوہ — تم کہاں تک پہنچے ہو۔“ ایکسٹو نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

”میں بہادر پور سے تین فرلانگ پیچھے ہوں۔“ تنویر نے بتایا۔  
”اور دوبارہ جوہان کو کال کرنے کی کوشش کر چکا ہوں۔ راتے میں کہیں اُس کی یا سفید فام کی گاڑی نظر نہیں آئی۔“

”ممکن ہے وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہو۔ تم بہادر پور تک جاؤ اور وہاں کی چیک پوسٹ سے معلوم کرو۔“ ایکسٹو نے کہا۔ ”اگر وہ بہادر پور میں داخل ہوتے ہیں تو چیک پوسٹ پر اُن کی گاڑیوں کا انداز

ضرور ہوگا۔“

”بہت بہتر —“ تنویر بولا۔ ”میں چیک پوسٹ سے پتہ کرنے کے بعد آپ کو اطلاع دوں گا۔“  
”اور اینڈ آف۔“ ایکسٹو نے کہا۔

اور تنویر نے بھی وائچ ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ بہادر پور اب محض دو فرلانگ دور رہ گیا تھا۔ مگر تقریباً ایک فرلانگ کا مزید فاصلہ طے کرنے کے بعد اُسے دائیں جانب کے نشیب سے دھواں اٹھنا دکھائی دیا اور اُس نے کار روک دی۔ سیاہ گاڑھا دھواں تھا۔ شاید پٹرول یا ڈیزل جل رہا تھا۔ تنویر کا دل سے اتر کر نشیب کے کنارے آیا مگر نیچے جھانکتے ہی اُچھل پڑا۔ نشیب میں دو گاڑیوں کے ڈھانچے بری طرح جل رہے تھے اور اُن میں سے ایک جوہان کی کار معلوم ہوتی تھی۔

تنویر تیزی سے نشیب میں اُترتا چلا گیا۔ جلتی ہوئی گاڑیوں سے چند گز پیچھے رک کر وہ سوچنے لگا کہ جلتی ہوئی کار میں کیسے جھانکا جائے۔ دفعتاً عقب میں کسی پتھر کے ٹھکنے کی آواز پیدا ہوئی۔ اُس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ اور چونک پڑا۔ ڈھلان پر سڑک کے قریب ایک انسانی جسم متحرک تھا۔ تنویر تیزی سے ڈھلان چڑھنے لگا۔ قریب پہنچنے پر وہ انسانی جسم جوہان کا ثابت ہوا۔ وہ زخمی تھا اور آہستہ آہستہ اوپر سڑک کی طرف جا رہا تھا۔ اُس نے پلٹ کر تنویر کی طرف دیکھا اور دُک گیا۔

”شکریہ تم زندہ ہو۔“ لارڈ میں تو مایوس ہو گیا تھا۔ ”تنویر نے

طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔  
 ”بس زندگی تھی جو بچ گیا۔“ چوہان بھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔  
 ”مجھے ابھی ہوش آیا ہے۔“  
 ”اوہ — مگر یہ حادثہ کیسے ہوا تھا۔ وہ غیر ملکی کہاں ہے۔؟“ تنویر نے

اُسے بہارا دیتے ہوئے پوچھا۔  
 ”وہ ٹیکسی موٹر پر روک کر اتر گیا تھا۔“ چوہان نے کہا۔ ”میں موٹر پر مڑا تو فاصلہ اتنا کم تھا کہ بریک لگانا مقصود تھا۔ چنانچہ میں نے دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی مگر سڑک کے کنارے گرنے کی بجائے میں ڈھلان پر گر کر اور خود کو لٹھکنے سے بچا سکا۔ یہ زخم لٹھکنے کی بدولت آئے ہیں جس سے میں بے ہوش ہو گیا تھا۔“  
 ”مگر سفید فام تو مجھے سڑک پر کہیں نظر نہیں آیا۔“ تنویر بولا۔  
 ”کیا وہ پیدل ہی آگے گیا ہوگا۔؟“

”شاید — بہادر پور قریب ہی ہے۔ تم کب پہنچے ہو۔“ چوہان نے پوچھا۔

”تین چار منٹ ہو چکے ہیں۔ تم سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد میں سیدھا جا رہا تھا کہ دھواں دیکھ کر مرگ گیا تھا۔“ تنویر نے کہا۔ ”متماری گشتدگی کی ایکسٹو کو رپورٹ دے چکا ہوں۔“  
 چوہان کچھ نہ بولا۔ اُس کے گھٹنوں، کہنیوں اور کمر میں چوٹیں آتی تھیں مگر اُس کی بے ہوشی کا سبب سر کی چوٹ تھی جس سے اب بھی خون رس رہا تھا۔

سڑک پر پہنچ کر تنویر نے اپنا رومال نکال کر اُس کے سر کے زخم پر باندھ دیا اور پھر وچ ٹرانسمیٹر پر ایکسٹو کو کال کرنے لگا۔ رابطہ قائم ہونے پر اُس نے چوہان کے ملنے کی اطلاع دی اور چوہان نے ایکسٹو کے استفسار پر حادثے کی تفصیل بیان کر دی۔

”تم زیادہ زخمی ہو تو واپس آ جاؤ۔ اگر کام کر سکتے ہو تو تنویر کے ساتھ جاؤ۔“ ایکسٹو نے چوہان سے کہا۔

”نہیں جناب — میں ٹھیک ہوں۔ معمولی چوٹیں ہیں۔“ چوہان نے جلدی سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تم دونوں بہادر پور چلے جاؤ۔ اور وہاں غیر ملکیوں پر نظر رکھو۔ کسی ہوٹل میں کمرے لے لینا۔ اور مجھے ہوٹل کے پتے سے آگاہ کر دینا۔ خاص طور پر والی ریاست کے بیٹوں سے ملنے جلنے والے غیر ملکیوں کو چیک کرنا۔“

”بہت بہتر سر —“ تنویر بولا۔ ”رپورٹ ٹرانسمیٹر پر دی جائے یا فون پر۔؟“

”ٹرانسمیٹر پر مناسب رہے گی۔“ ایکسٹو نے کہا۔ ”اور اینڈ آف۔“

تنویر نے ٹرانسمیٹر آف کیا اور چوہان کے ساتھ اپنی کار میں آ بیٹھا۔ چند عوں بعد کار بہادر پور کی طرف دوڑ رہی تھی۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے انھیں چیک پوسٹ پر رکنا پڑا جہاں تنویر کا لائسنس اور دونوں کے



جلد ہی کھانا آ گیا۔ کھانا کھانے کے دوران وہ ہٹل میں بیٹھے اور آنے جانے والوں کا غور سے جائزہ لیتے رہے۔ کھانے کے بعد افسوں نے قہوہ منگوایا۔ بہادر پوکھ کا قہوہ بہت مشہور تھا اور باہر سے آنے والے لوگ کئی کئی بوند قہوہ ساتھ لے جاتے تھے۔ قہوہ نے انہیں بہت لطف دیا۔ پھر وہ وہاں سے اٹھنے ہی والے تھے کہ بال میں ایک دراز قد ریاستی باشندہ داخل ہوا اور اکثر گاہک اُسے رشک آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ وہ صحت و تندرستی و خوبصورتی کا زندہ مجسمہ تھا۔ اُس کے سُرخ و پییدہ چہرے سے وقار اور مدبرانہ بھلکتا تھا۔ چوہان اور تنویر اُسے بخوبی جانتے پہچانتے تھے۔ وہ والی ریاست کا چھوٹا بیٹا پھول خان تھا۔ اُس کے اندر داخل ہوتے ہی ہٹل کا تمام عملہ مودب نظر آنے لگا۔ لیکن چوہان تو حیرت سے اُس آدمی کو دیکھ رہا تھا جو پھول خان کے ساتھ آنے والے چار آدمیوں میں سے ایک تھا اور یہ وہی سفید نام متاجس نے اپنے تعاقب سے باز رکھنے کے لیے اُسے ہلاک کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

قومی شناختی کارڈ چیک کیے گئے۔ چند منٹ بعد تنویر نے شہر کے ایک اچھے سے ہٹل کے باہر کار روکی اور انجن بند کر کے اُتر آیا۔ ہٹل کے قریب ہی چند دوکانیں تھیں۔ چوہان نے تنویر سے کہا کہ وہ اپنے لیے ایک لباس مخربز اچاہتا ہے تو تنویر اُس کے ساتھ ایک ڈیپارٹمنٹل سٹور پر پہنچا۔ وہاں سے چوہان نے ایک ریڈی میڈ سوٹ خریدا اور پھر دونوں ہٹل میں آ گئے۔ ہٹل میں انہیں دو کمروں کی بجائے ڈبل بیڈ کا ایک کمر دستیاب ہوا۔ اور وہ ایک ویٹر کے رہنمائی میں فرسٹ فلوئر پر واقع اُس کمرے میں پہنچ گئے۔ تنویر نے ویٹر سے چائے منگوائی۔ اتنی دیر میں چوہان لباس تبدیل کر چکا تھا۔ چائے پینے کے بعد وہ دونوں ہٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔ دوپہر تک وہ شہر کے مختلف حصوں میں گھومتے اور ہر نظر آنے والے غیر ملکی کو غور سے دیکھتے رہے۔ پھر دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے افسوں نے کشمیری ہٹل کا انتخاب کیا۔ یہ شہر کا بہترین چار منزلہ ہٹل تھا اور ریاست میں آنے والے اکثر سباج وہاں قیام کرتے تھے۔

تنویر نے ہٹل کے کپاؤنڈ میں کال کھڑکی کی اور دونوں بال کی طرف بڑھ گئے۔ بال میں خاصا رش تھا مگر پھر بھی ایک دو میزیں خالی دکھائی دے گئیں۔ وہ ایک میز پر بیٹھ گئے۔ بال میں بیٹھے گاہکوں کے قریب غیر ملکی باشندے تھے۔ لیکن ان میں کسی مشکوک آدمی کو تلاش کرنا خاصا دشوار تھا۔ ویٹر کے آنے پر افسوں نے مینو دیکھ کر کھانے کا آرڈر دیا اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ مرنوع گفتگو عمران کی بہن ثریا کا اعوان تھا۔

”یہ دونوں کہاں سے ہاتھ لگے۔“ بلیک زیرو نے عمران سے پوچھا۔  
 ”صرف یہ ہاتھ لگے بلکہ جویا اور تھریسا بھی ہتھے پڑھیں تھیں۔“ عمران  
 نے احمقانہ لہجے میں کہا۔

”پڑھیں تھیں — اس سے آپ کا کیا مطلب ہے۔“ بلیک زیرو  
 نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

”تھریسا فرار ہو گئی اور جویا صفدر کے ساتھ بھاگ گئی۔“ عمران نے  
 منڈاسانس لیتے ہوئے کہا۔

”تو جویا تھریسا کی قید میں تھی —“ بلیک زیرو نے مسکراتے  
 ہوئے کہا۔

”ہاں —“ عمران صوفے پر بیٹھ کر جیب سے جیونگم نکالتا ہوا  
 بولا۔

پھر اُس نے مختصر اسرار واقعہ سنا دیا۔ بلیک زیرو خاموشی سے سنتا  
 رہا۔ پھر کہنے لگا۔

”یہ تو بہت بُرا ہوا۔ وہ ہمیں سنگ ہی کا پتہ بتا سکتی تھی۔“  
 ”نہیں — وہ خود بھی انجان تھی کہ ثریا کو اغوا کیا گیا ہے۔“ عمران

نے کہا۔ ”سنگ ہی نے رات کے بعد اب تک اُس سے دوبارہ رابطہ قائم  
 نہیں کیا اور مجھے یقین ہے کہ اُس نے اس سلسلے میں جھوٹ نہیں بولا ہوگا۔“

”اُس خیارہ سے کوئی لبید نہیں ہو سکتا ہے سنگ ہی نے اُس کے  
 مشورے سے ہی —“ بلیک زیرو نے کہنا چاہا۔

**عمران** کو تھریسا کے نکل جانے کا افسوس تھا۔ لیکن وہ ہتھ کر چکا تھا کہ  
 سنگ ہی کو زمین کی سات تہوں سے بھی ڈھونڈ نکالے گا۔ اُسے تھریسا کی اس  
 بات کا یقین تھا کہ وہ سنگ ہی کے موجودہ ٹھکانے سے ناواقف ہے۔ تھریسا  
 کی کوٹھی سے دو ہی آدمی زندہ گرفتار ہو سکے تھے۔ اُن میں سے ایک جیمیکو  
 اور دوسرا سنورا تھا جو جویا پر تیزاب ڈالنے کی کوشش میں خود تیزاب کا شکار  
 ہو گیا تھا اور تیزاب نے اُس کا سینہ صلابت والا تھا۔

وہ اُن دونوں کو بے ہوش کر کے دانش منزل لایا اور انھیں جوزف کے  
 حوالے کر کے خود آپریشن روم میں آگیا جہاں بلیک زیرو موجود تھا۔ اسکرین  
 پر جوزف کپاؤنڈ میں کھڑی عمران کی کار سے یہ ہوش سفید فاموں کو نکالتا نظر  
 آ رہا تھا۔

”نہیں طاہر — میں تھریا کی فطرت سے بخوبی واقف ہوں۔“ عمران اُس کی بات قطع کرتا ہوا بولا۔ ”وہ مجھے تو ہلاک کر سکتی مگر ثریا کے بارے میں بھول کر بھی نہیں سوچ سکتی۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ ثریا میری بہن ہے اور اگر اُس نے ایسا قدم اٹھایا تو عمران اُس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ مر جائے گا۔ تمہیں معلوم ہے وہ مجھے کتنا چاہتی ہے۔“

”لیکن یہ کس طرح ممکن ہے ایک ہی مشن پر کام کرنے کے باوجود تھریا اُس کے ٹھکانے سے ناداقف رہی ہو“ بلیک زیرو نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

”سنگ ہی کو تم کیا سمجھتے ہو۔ وہ لپکا حرامی ہے۔“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔ ”وہ جانتا ہے کہ تھریا مجھ سے عشق کرتی ہے۔ اور میری محبت میں وہ مجھ سے رعایت کرتی ہے۔ اس لیے اُس نے میرے معاملے میں کبھی تھریا پر اعتماد نہیں کیا۔ چنانچہ عین ممکن ہے کہ اُس نے تھریا کو ثریا کے اغوا کے پروگرام سے بے خبر رکھا ہوگا اور ثریا کو اغوا کر کے کسی ایسے ٹھکانے پر لے گیا ہوگا جس سے تھریا لا علم ہوگی۔“

”خیر۔“ بلیک زیرو طویل سانس لیتا ہوا بولا۔ ”جو مان نے ایک غیر ملکی کا تعاقب کیا تھا مگر۔“

وہ تفصیل سے بتانے لگا۔ آخر میں بولا۔ ”میں نے تنویر اور چوہان کو بہادر پور جانے کی ہدایت کر دی ہے۔“

”ہوں — بہادر پور۔“ عمران سوچتا ہوا بولا۔ ”گویا بہادر پور

بھی اس معاملہ میں ملوث ہے۔“

”شاید — ممکن ہے اُس غیر ملکی کا سنگ ہی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سنگ ہی کا ہی آدمی ہو۔ لیکن اگر سنگ ہی ثریا کو بہادر پور لے گیا ہے تو ہمارے لیے کافی دشواری پیدا ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے وہ ایک آزاد ریاست ہے اور وہاں غیر ملکیوں کا پورا پورا تحفظ کیا جاتا ہے۔ بلیک زیرو نے کہا۔

”پر وہ نہیں — ایسی کئی ریاستیں ہیں ثریا پر قربان کر سکتا ہوں۔“ عمران بولا۔ ”مگر پہلے یہ ثابت ہو جائے کہ سنگ ہی بہادر پور میں ہے۔ تم نے اُس آدمی سے پوچھ گچھ کی ہے جس نے رات اُسے تاد جبر کو ہلاک کیا تھا۔“

”جی ہاں — وہ سنگ ہی کا ماتحت ہے اور اُسی کے حکم پر اُس نے اُس تاد جبر کو ہلاک کیا تھا۔ وہ شہر وڑھول میں مقیم تھا اور سنگ ہی سے اُس کا رابطہ ٹرانسمیٹر یا فون پر ہوتا تھا مگر وہ سنگ ہی کی کسی قیام گاہ سے واقف نہیں ہے۔“ بلیک زیرو نے بتایا۔ ”میں نے اُس پر کافی تشدد کیا مگر وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں بتا سکا۔“

”اچھا — تم جوزف کے ساتھ جبر کید اور اُس کے دوسرے ساتھی سے پوچھ گچھ کرو۔“ عمران نے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔ ”ممکن ہے وہ سنگ ہی یا تھریا کے کسی دوسرے ٹھکانے سے واقف ہوں۔“

بلیک زیرو نے سر ہلایا اور کمرے سے نکل گیا۔ عمران آنکھیں بند کر کے سوچنے لگا۔ سوچ کا محور سنگ ہی ثریا اور بہادر پور تھے۔

نصف گھنٹہ بعد بلیک زیرو کمرے میں داخل ہوا اور اُس کی آہٹیں سن کر عمران نے آنکھیں کھول دیں۔

”وہ دونوں کچھ نہیں بتا سکے۔ میں نے تشدد کی انتہا کر دی مگر وہ سنگ ہی یا تھریریا دونوں میں سے کسی کے ٹھکانے سے واقف نہیں ہیں۔“ بلیک زیرو نے بتایا۔ ”البتہ اُن کا ایک ساتھی شالیمار ہوٹل میں مقیم تھا۔ لیکن ہے وہ اب بھی وہیں ہو۔“

”ہوں۔“ عمران سوچتا ہوا بولا۔ ”میں اُسے جا کر چیک کرتا ہوں۔ تنویر اور چوہان کی کوئی خاص رپورٹ موصول ہو تو مجھے مطلع کر دینا۔“

”بہت بہتر۔“ آپ صفر کو وہاں بھیج دیں۔“ بلیک زیرو نے مشورہ دیا۔

”نہیں۔“ میں اُس آدمی کو کھونا پسند نہیں کروں گا۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”ضرورت پڑی تو میں کسی ممبر کو بلاؤں گا۔ فی الحال میں خود اُسے ایصنا چاہتا ہوں۔“

وہ کمرے سے نکل آیا۔ چند لمحوں بعد اُس کی کار شالیمار ہوٹل کی طرف ڈر رہی تھی۔ دس بارہ منٹ میں شالیمار ہوٹل پہنچ گیا۔ ہوٹل کے باہر کار وک کر وہ اُتر ا اور ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ وہ ہال میں داخل ہوا تو وہاں فی کے چند کابک بیٹھے تھے۔ عمران اُن کا جائزہ لیتا ہوا کاؤنٹر پر پہنچا۔

”میرا تعلق اسپیشل پولیس سے ہے اور میں ہوٹل میں مقیم افراد کی سرست دیکھنا چاہتا ہوں۔“ اُس نے ایک جملی وزٹینگ کارڈ کاؤنٹر کلرک

کو دکھاتے ہوئے کہا۔

”بہت بہتر۔“ کلرک نے ادب سے کہا اور ایک رجسٹر کھول کر عمران کے سامنے رکھ دیا۔ عمران ورق گردانی کرنے لگا۔ اُس میں ہوٹل کے مسافروں کے کوائف درج تھے۔ پھر ایک نام پر اُس کی نظر جم کر رہ گئی۔ یہ کسی غیر ملکی کا نام تھا جو فرسٹ فلوئر کے ایک کمرے میں مقیم تھا۔ اُس کا نام پلٹن تھا اور وہ پچھلے تین دن سے وہاں مقیم تھا۔

”شکریہ۔“ عمران نے رجسٹر بند کرتے ہوئے کہا۔

اور واپس چل دیا۔ ہال سے نکل کر وہ ایک جانب بنے زینوں کی طرف بڑھ گیا جو بالائی منزل پر جانے کے لیے تھے۔ وہ زینے طے کر کے پلٹن نامی مسافر کے کمرے کے پاس پہنچا تو کمرے کا دروازہ مقفل تھا۔ راہداری سنان پڑی تھی۔ عمران نے جیب سے ماسٹر کی نسکالی اور قفل کے سوراخ میں ڈال کر گھمانے لگا۔ جلد ہی قفل کھل گیا۔ دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا اور دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا۔ کمرے میں سامان کے نام پر صرف ایک بریف کیس نظر آیا تھا جو ڈریسنگ ٹیبل کے پاس فرش پر رکھا تھا۔ میز پر ٹیلیفون اور پانی کا جگ گلاس نظر آ رہا تھا۔

عمران نے اُس کے بڑے کمرے پر بریف کیس اٹھایا اور صوفے پر بیٹھ کر اُسے کھولنے لگا۔ وہ مقفل نہیں تھا۔ لیکن اُس کی تلاشی لینے پر کوئی کام کی چیز نظر نہ آئی۔

بریف کیس میں کپڑوں کا ایک جوڑا شیو کا سامان اور ایک میک اپ بکس رکھا تھا۔ اُس نے بریف کیس بند کیا اور متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا

ہوا میز کے پاس آیا۔ اُس نے ٹیلیفون کے پینڈے کا جائزہ لیا مگر وہاں کوئی نمبر وغیرہ نہیں لکھا تھا۔ وہ مایوس ہو گیا اور میز کے پاس سے تنہا ہی چاہتا تھا کہ اُس کی نظریں میز کی سطح پر جم گئیں۔ جہاں بال پوائنٹ سے ایک فون نمبر لکھا تھا۔ سروف مٹے مٹے سے تھے مگر خود سے دیکھنے پر نظر آ جاتے تھے اور عمران کی معلومات کے مطابق یہ نمبر دار حکومت کے نہیں تھے۔

چوہان نے تنویر کو آنکھ کے اشارے سے اُس سفید فام کی طرف متوجہ کیا جس کے چہرے پر اب بھی مصنوعی فریج کٹ وارڈھی نظر آرہی تھی۔ تنویر نے اُس کا غور سے جائزہ لیا۔  
 ”کیا یہ وہی ہے۔“ اُس نے چوہان سے پوچھا۔  
 ”ہاں۔ بالکل وہی ہے۔“ چوہان آہستہ سے بولا۔ ”مگر اس کا پھول خان سے کیا تعلق۔“  
 دو ممکن ہے وہ پھول خان کا دوست یا واقف ہو۔“ تنویر نے خیال ظاہر کیا۔

پھول خان اور اُس کے چاروں ساتھی ذہینے چڑھ رہے تھے۔ فرسٹ فلوئر پر بھی ایک چھوٹا سا ڈرائینگ ہال تھا۔ یقیناً وہ لوگ

کھانا کھانے آئے تھے۔ کاؤنٹر کلرک اور دو ویرٹران کے پیچھے چل رہے تھے۔  
 ”اب ہمیں کچھ دیر اور یہاں رہنا ہوگا۔“ چوہان نے کہا۔  
 ”ٹھیک ہے۔“ گوجیف کو اطلاع دے دینی چاہیئے۔“ تنویر بولا۔  
 ”میں باقیہ روم میں جا کر چیف کو کال کرتا ہوں۔“

چوہان نے سر ہلایا اور تنویر اُٹھ کر ہال کی اُس دیوار کی طرف بڑھ گیا جس کے عقب میں باقیہ روم تھے۔ چوہان سوچ رہا تھا کہ کیا پھول خان سنگ ہی کا دوست ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ سنگ ہی اور اُس کے آدمیوں کے حفاظت کرے گا اور اُن پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش میں سیکرٹ سروس کو پھول خان سے ٹکرا نا پڑے گا۔

تنویر پانچ منٹ بعد واپس آیا اور اُس کے سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے آہستہ سے بولا۔

”چیف نے صرف نگرانی اور تعاقب کا حکم دیا ہے۔ یہ ہٹل پھول خان کی ملکیت ہے اور ایکسٹرو کی معلومات کے مطابق وہ ہمیشہ دوپہر کا کھانا نہیں کھاتا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ سنگ ہی کے پھول خان سے تعلقات میں یا نہیں اور سفید نام سنگ ہی کا آدمی ہے یا کوئی تھرڈ پرسن۔“

چوہان کچھ نہ بولا۔ وہ زینوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تین ویرٹرانے کے ٹرے اُٹھائے اوپر جا رہے تھے۔ وقت گزاری کے لیے چند منٹ ٹھہر کر افسوں نے چائے منگوائی اور آپس میں باتیں کرتے رہے۔ چند منٹ بعد

تنویر نے کاؤنٹر پر جا کر ہل ادا کر دیا۔  
 ”سنو۔“ دفعتاً چوہان نے تنویر سے کہا۔ ”تم اُوپر جاؤ اور اُن لوگوں کی گفتگو شننے کی کوشش کرو۔“

”وگنر ایکسٹرو نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔“ تنویر نے مسکرا کر کہا۔  
 ”کیونکہ عام کامیوں کو اوپری ہال میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لیے بغیر مناسب رہے گا۔“ چیف نے بتایا ہے کہ پھول خان کے ساتھ نظر آنے والے بقیہ تینوں افراد اُس کے محافظ ہیں اور یہ محافظ دن رات اُس کے ساتھ رہتے ہیں۔“

”پھر ہم کیسے اُن کی نگرانی کر سکیں گے۔“ چوہان نے یو سی سے کہا۔  
 ”یہ تو دیکھنا پڑے گا۔ انھیں نیچے آنے دو۔“ تنویر بولا۔ ”شاید کوئی سیل نکل ہی آئے۔“

”ایک اور مسئلہ بھی تو ہے۔“ وہ سوچتا ہوا بولا۔ ”ممکن ہے یہ غیر ملکی سنگ ہی کا ساتھی نہ ہو اور ہم یونہی وقت برباد کرتے ہیں۔“  
 ”یہ چیف کے سوچنے کی بات ہے۔ ہمیں تو اُس کے حکم پر چلنا ہے۔“ تنویر نے مسکرا کر کہا۔

اسی لمحے پھول خان اور اُس کے ساتھی زینے اُترتے نظر آئے۔ وہ ہال میں اُترے اور دُکے بغیر خارجی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ وہ دونوں سمجھی جلدی سے اُٹھے۔ بل پہلے ہی تنویر ادا کر چکا تھا۔ وہ ہال سے نکلے تو پھول خان اور اُس کے چاروں ہم راہی ایک شیور لیٹ کار میں

یہ ٹھہر رہے تھے۔ تنویر اور چوہان اپنی کار کی طرف پکے۔ چند لمحوں بعد وہ شیور لیٹ کا تعاقب کر رہے تھے جس میں پھول خان کے ساتھ غیر ملکی بیٹھا تھا۔ شہر کی مختلف سڑکوں سے گزرتی ہوئی شیور لیٹ ایک خوبصورت کوٹھی میں داخل ہوئی جس کے ارد گرد اور کوئی عمارت نہیں تھی۔ شاید وہ پھول خان کی رہائش گاہ تھی۔ گیٹ پر ایک گن مین نظر آ رہا تھا۔ تنویر نے کچھ فاصلے پر ہی کار روک لی تھی۔ قریب ہی ایک گلی تھی۔ تنویر نے چوہان سے مشورہ کرنے کے بعد کار گلی میں داخل کر کے روک دی۔ پھر دونوں کار سے اتر کر گلی سے باہر آئے اور پھول خان کی کوٹھی کی نگرانی کرنے لگے۔ تقریباً نصف گھنٹہ بعد فرنیچر کٹ داڑھی والا سفید فام کوٹھی کے گیٹ سے نکلتا دکھائی دیا اور وہ دونوں محتاط ہو گئے۔ داڑھی والا سفید فام تیزی سے قدم اٹھاتا اُس جانب چل دیا جہاں سے پھول خان کے ساتھ آیا تھا۔ وہ دونوں گلی میں چلے گئے۔ سفید فام کے گزر جانے کے بعد وہ دونوں گلی سے نکلے اور ایک دوسرے سے قدرے فاصلہ پر ہو کر سفید فام کا پیچھا کرنے لگے۔ سڑک پر کئی لوگ آ جا رہے تھے اس لیے انہیں اُمید تھی کہ سفید فام اپنے تعاقب سے آگاہ نہ ہو سکے گا۔

ایک چوک سے سفید فام بائیں سمت مڑا اور چند قدم کے فاصلے پر واقع ایک ہوٹل کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ ہوٹل میں داخل ہو کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ تنویر اور چوہان بھی ہوٹل میں داخل ہوئے۔ ہال میں پہنچنے پر انہیں سفید فام بالائی منزل کے زینے پر پڑھا دکھائی دیا۔ وہ دونوں بھی زینوں کی طرف بڑھ گئے

فرسٹ فلوئر پر پہنچ کر رُک گئے۔ اُس منزل پر واقع تمام کمرے بند نظر آ رہے۔ چوہان کو رُکنے کا اشارہ کر کے تنویر دیے پاؤں ایک کمرے کی طرف بڑھا۔ رُک پہنچ کر اُس نے کی ہول سے اندر جھانکا مگر اُس میں سفید فام نظر نہ آیا۔ اب وہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھا۔ اسی طرح کمروں میں جھانکتا ہوا وہ بیٹھ کے پانچویں کمرے کے دروازے پر پہنچا تو اندر سے ایک آواز سنائی دینے لگی جو واضح نہیں تھی۔ تنویر نے جھک کر کی ہول سے آنکھ لگائی۔ اندر وہی سفید فام موجود تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک سگریٹ لائٹر تھا جسے نہ کے قریب کیے وہ بول رہا تھا۔

تنویر نے کی ہول سے کان لگا دیا اور اندر کی آوازیں واضح سنائی دینے لگیں۔

”جی ہاں۔ اور وہ اس بات پر رضامند ہے۔ مسئلہ صرف معاوضہ کا ہے۔“

”دکھنا مانگ رہا ہے۔“ ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔

”پچاس لاکھ روپے۔“ پہلی آواز سنائی دی جو یقیناً سفید فام کی ہی تھی اور سگریٹ لائٹر بھی ٹرانسمیٹر ہی ہو سکتا تھا۔

”یہ رقم تو بہت زیادہ ہے۔“ ہلکی آواز سنائی دی جو یقیناً ٹرانسمیٹر سے خارج ہو رہی تھی۔

”اس سے کم پر وہ نہیں ماننا۔ اور وہ چاہتا ہے کہ یہ رقم اُس کے نام سے پاکستان کے دار الحکومت کے کسی بینک میں جمع کروادی جائے۔“



”خیر — آج رات کلب میں اُس سے خود بات کروں گا۔“

”کیا میں اُسے اطلاع دے دوں؟“ سفید فام کی آواز سنائی دی

”ہاں — آج رات گیارہ بجے“ دوسری آواز آئی۔

”مگر باس — وہ آپ کا پرانا دوست ہے۔ پھر وہ کیوں اتنے

زیادہ پیہ مانگ رہا ہے؟“

”تم یہ بات نہیں سمجھ سکو گے ریگل۔“ باس کی آواز آئی۔ ”دوستی اپنا

جگہ اور کاروبار اپنی جگہ۔“

”باس — کیا مجھے بھی رات کلب میں آنا پڑے گا —؟“ ریگل

سفید فام نے پوچھا۔

”ہاں — مگر تم دوسرے میک اپ میں وہاں آؤ گے۔ کسی بھی

وہاں ہتھاری ضرورت پڑے سکتی ہے۔“

”آلراٹ باس —؟“ ریگل بولا۔ ”وہ آپ سے دھوکا تو نہ

کرے گا۔“

”وہ سنگ ہی کے ہاتھ جانتا ہے۔“ ہنس کر کہا گیا۔ ”بہرہ

تم فون پر اُسے آگاہ کر دینا۔“

اس کے ساتھ ہی اندر سننا ٹاچھا گیا۔ تنویر خاموشی سے بیچھے

اور زمینوں کے پاس کھڑے جوہان کے قریب پہنچ گیا۔ دونوں زینے

کو نیچے ہال میں پہنچے اور ہٹل سے باہر نکل آئے۔ کمپاؤنڈ میں رک کر تہ

اُسے ریگل اور اُس کے باس کی گفتگو سننے لگا۔ اور وہ باس یقیناً

نہا۔

”بہت خطرناک معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ پیچاس لاکھ روپے کم نہیں

ہے۔“ جوہان نے کہا۔

”ہاں — میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔“ تنویر نے سر ہلا کر کہا۔

”اچھا — تم چیف کو رپورٹ دے آؤ۔“ جوہان نے کہا۔ ”دیر

کر۔“

ور تنویر کمپاؤنڈ کے ایک سرے پر نظر آنے والے ہاتھ روم کی طرف

پلا گیا۔

نہیب رہ کر حالات و واقعات کا جائزہ لینا تھا۔ اُس وقت شام کے چھ بجے تھے۔  
 ورسورج غروب ہونے میں نصف گھنٹہ رہتا تھا۔ ایک منٹ بعد محافظ باہر آیا۔  
 ”میرے ساتھ تشریف لائیں۔ وہ آپ کے منتظر ہیں۔“ محافظ نے  
 ٹوہبانہ لہجے میں کہا۔ ”کارا اندر لے آئیں۔“

جولیانے کارا کے بڑھائی۔ کپاؤنڈ میں آکر اُس نے محافظ کے اشارے  
 پر ایک جگہ کارکھڑی کی اور اُتر کر اُس کے ساتھ چل دی۔ محافظ کی رہنمائی میں  
 وہ برآمدے سے گزر کر ایک طویل راہداری میں داخل ہوئی۔ محافظ بائیں ہاتھ  
 کے ایک کمرے کے دروازے پر رُک کا اور ہینڈل لگھا کر دروازہ کھولا۔ اُس  
 نے پیچھے ہٹ کر جولیانے کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ جولیانے کمرے میں داخل ہوئی۔  
 یہ کافی کشادہ اور خوبصورت ڈرائینگ روم تھا۔ خوبصورت اور دراز قد سردار  
 پھول خان ایک صوفے پر نیم دراز سگارا کے کش لے رہا تھا۔

جولیانے کو دیکھ کر وہ سیدھا ہویٹھا۔ جولیانے اُسے سلام کیا۔ جواب  
 میں اُس نے شکر اکر سر ہلایا۔  
 ”بیٹھو مس ٹیلی۔“ وہ اپنے سامنے والے صوفے کی طرف ہاتھ  
 سے اشارہ کرتا ہوا بولا۔

”تشکر۔“ جولیانے کہا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔  
 ”آپ کو میری آمد کی اطلاع مل چکی ہوگی۔“ جولیانے بڑے دلاویرو  
 لہجے میں کہا۔

”ہاں۔“ رانا تھوہ علی صندوق سے بابا جان کے پُرانے تعلقات

جولیانے سردار پھول خان کی محل نما کوٹھی کے گیٹ پر کار روکی  
 گیٹ کے باہر کھڑا مسلح محافظ اُس کی طرف بڑھ آیا۔  
 ”جی۔“ فرمائیے۔“ اُس نے شائستہ لہجے میں پوچھا۔  
 ”سردار سے ملنا ہے۔“ جولیانے انگلیش میں کہا۔ ”کیا  
 یہ موجود ہیں۔“

”جی ہاں۔“ آپ کا نام۔“ ”محافظ نے پوچھا۔  
 ”انہیں جا کر صرف اتنا بتا دو کہ مس ٹیلی آئی ہے۔“ جولیانے  
 ”کہہ دیا۔“

اور محافظ سر ہلاتا ہوا گیٹ کے اندر چلا گیا۔ وہ جولیانے انتظار کر  
 لگی۔ وہ ایک کھڑکی کے حکم پر یہاں پہنچتی تھی اور اُسے سردار پھول خان

میں۔ پھول خان نے کہا پھر کسی کو بلانے کے لیے میز پر پڑی بیل بجائی اور دوبارہ کہنے لگا۔

”بس یوں سمجھو کہ بابا جان انہیں اپنا تیسرا بیٹا بھی سمجھتے ہیں اور دوست بھی۔ مجھ سے اُن کی ہیلو ہیلو ہے مگر گہری دوستی نہیں ہے۔ ویسے میں بابا جان کی وجہ سے اُن کی عزت کرتا ہوں۔ میری اُن سے آخری ملاقات تین برس پہلے مسلم آباد میں ہوئی تھی۔ اُس وقت میں فائنل ایئر کا امتحان دے رہا تھا۔

اسی لمحے ایک آدمی اندر آیا۔ چیلے سے وہ ملازم معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے آنے پر پھول خان خاموش ہو گیا۔

”حکم سردار۔“ ملازم نے مژدبانہ لہجے میں کہا۔

”مس ٹیلی۔ چائے یا وٹسکی۔“ پھول خان نے جولیہ سے پوچھا۔

”چائے۔“ جولیہ نے بلا جھجھک کہہ دیا۔ ویسے بھی سفر نے اُسے تھکا دیا تھا اور وہ چائے کی طلب محسوس کر رہی تھی۔

”چائے لے آؤ۔“ اور مل مس ملا تھا کو بھیج دو، پھول خان نے ملازم سے کہا۔

ملازم چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد پھول خان نے نیا سیگار سلگایا اور جولیہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”رانا صاحب نے فون پر تمہارا مکمل تعارف نہیں کروایا تھا۔

صرف اتنا بتایا تھا کہ تم ڈنارک میں اُن کے ایک دوست کی بیٹی ہو اور پھر سیروسیاحت کے شوق میں یہاں آئی ہو۔

جولیہ سمجھ گئی کہ وہ مکمل تعارف چاہتا ہے۔ وہ میک اپ میں تھی اور اس میک اپ میں بھی خاصی حسین اور اپنی اصل عمر سے چند برس کم ہی دکھائی دے رہی تھی۔ عمران نے ایکسٹو کی ہدایت پر اُس کے سامنے پھول خان کو فون کر دیا تھا اور جولیہ جانتی تھی کہ رانا تھور علی صندوٹی بھی عمران کا ہی ایک روپ ہے۔ رانا پیلس کے باہر اس نام کی تختی لگی ہوئی تھی جو اصل میں سیکرٹ سروس کا ہی دوسرا ہیڈ کوارٹر تھی۔ دانش منزل، ڈھمپ ہاؤس اور سائیکو مینشن کے بعد یہ ایکسٹو کی چوتھی رہائش گاہ تھی۔

”میں فائن آرٹس میں پڑھ رہی ہوں۔“ وہ پھول خان کو بتانے لگی۔

”سیروسیاحت کا مجھے پُرانا شوق ہے۔ میرے ڈیڑھی مہی سیاست کے شوقین ہیں اور میں بچپن سے اُن کے ساتھ مختلف ممالک کی سیر کرتی رہی ہوں۔ پاکستان ایک بار پہلے بھی آپ کی ہوں مگر اس بار خاص طور پر آپ کی ریاست دیکھنے آئی ہوں۔ رانا صاحب نے آپ کی بہت تعریف کی تھی اُن کا خیال تھا کہ کسی ہوٹل میں میرا قیام مناسب نہیں رہے گا۔ چنانچہ اُسفوں نے مجھے آپ کے پاس بھیج دیا۔“

”یہاں کے ہوٹلوں میں بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہم غیر ملکیوں کی حفاظت کرتے ہیں۔“ پھول خان نے مسکرا کر کہا۔ ”بہر حال یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ جب تک دل چاہے قیام کیجئے۔ البتہ آپ کو کھانا کھانے

کے لیے ہٹل تک جانا پڑے گا۔ یہاں ہمارے کئی ذاتی ہٹل ہیں۔ آپ کو کسی بھی ہٹل میں بل ادا نہیں کرنا پڑے گا۔“

”شکریہ سرور۔“ جولیا نے مسکرا کر کہا۔ ”آپ بہت اچھے انسان ہیں۔“

اسی لمحے میں بائیس برس کی ایک سفید فام لڑکی اندر داخل ہوئی اور دونوں اُس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ اُس کے پیچھے ملازم چائے کی ٹرے اٹھائے اندر آیا۔

”یس باس۔“ سفید فام لڑکی نے مسکراتے ہوئے پھول خان سے کہا۔

مس ٹیلی۔۔۔ یہ میری پرنسپل سیکرٹری مس مارتھا ہے۔ پھول خان نے جولیا سے اُس کا تعارف کرایا۔ ”میں ہر ماہ سیکرٹری تبدیل کرتا ہوں۔ کیونکہ یکسانیت سے مجھے اکتاہٹ ہوتی ہے۔ مس مارتھا کا یہ پہلا ہفتہ ہے۔“ پھر اُس نے مارتھا کو جولیا کے بارے میں بتایا۔

”یہ ہماری مہمان ہیں۔ ان کا یہاں قیام رہے گا۔ مارتھا والا کمرہ ان کے لیے سیٹ کر دو۔ انہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ کشمیری ہٹل کے میجر کو اطلاع دے دو۔ یہ وہیں کھانا کھایا کریں گی۔“

”بہت بہتر باس۔ میں پانچ منٹ میں کمرہ درست کرائے دیتی ہوں۔“ مارتھا نے جولیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر دو پیالیوں میں چائے بنائے گئی۔ چائے بنا کر اُن دونوں کے

اُسے رکھنے کے بعد وہ باہر چلی گئی۔ اُسفوں نے خاموشی سے چائے پی۔ ”اچھا۔ اب آپ آرام کریں۔ میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔ سیر کھینچے ہر جانا چاہیں تو یہاں کے کسی ملازم کو ساتھ لے جاسکتی ہیں۔ دو بجے صدر دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔“ پھول خان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

جولیا بھی کھڑی ہو گئی۔ وہ سر کے اشارے سے پھول خان کو سلام کے باہر نکل آئی۔ باہر سیکرٹری مارتھا موجود تھی۔ اُس نے ڈرائیونگ روم کے ساتھ والے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”یہ آپ کا کمرہ ہے۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو پیل بجا کر ملازم کو طلب کر سکتی ہیں۔“

جولیا نے سر ہلایا اور اُس کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ اندر ایک میز اور دو کرسیوں کے علاوہ ایک بیڈ اور ڈرائیونگ ٹیبل بھی موجود تھی۔ میں دیوار میں بائیں دروازہ کا دروازہ نظر آ رہا تھا جبکہ دائیں جانب کی دیوار کے س ایک خوبصورت گلاس کھانا تھا جس میں چینی کا پودا لگا ہوا تھا۔ جولیا نے دروازہ بند کیا اور اپنا پرس میز پر رکھ کر خود بستر پر آ بیٹھی۔ چند منٹ سوچنے کے بعد وہ اُٹھی اور سینٹرل پینے بغیر دیگر قالین پر چلتی ہوئی دروازے لے پاس آ گئی۔ پھر اُس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ مگر ہر کوئی نہ تھا۔ دہرائی سنان پڑی تھی۔ وہ مطمئن ہو گئی اور دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا۔ پھر سینٹرل پین کے بائیں دروازے کی طرف بڑھی۔ اندر آ کر اُس نے اچ ٹرانسمیٹر آن کیا اور ایکسٹو کو کال کرنے لگی۔

”ہیلو چیف — جویا کالنگ اور۔“

”ویس جویا — ایکسٹوائنڈنگ اور۔“ چند لمحوں بعد ایکسٹو کی آواز ٹرانسمیٹر سے اُبھری۔

جویا نے رپورٹ دی اور مارتھا کا بھی ذکر کیا۔ جواب میں ایکسٹو نے اُسے ہدایات دیں اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔ وہ بھی وایج ٹرانسمیٹر آف کر کے ہاتھ مڑ دھونے لگی۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد وہ تیار ہو کر شہر کی سیر کرنے کے لیے کمرے سے نکلی تو ڈرائیونگ روم سے اگلے کمرے کے دروازے پر بے اختیار دُک گئی۔ اندر سے آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اُس نے دہرائی میں کسی ذی رُوح کو نہ پا کر کی ہول سے آنکھ لگا دی۔ مگر کمرے میں بھانکتے ہی بے اختیار چونک پڑی۔

**ہالی وڈ** ٹائٹ کلب میں رونقیں عروج پر تھیں۔ پچھتر فیصد گاہک غیر ملکی تھے اور ایک میز کے سوا تمام میزیں آباد تھیں۔ اُس میز پر ”سردار پھول خان“ کے نام کی تختی رکھی تھی۔ وسیع و عریض ہال کے ایک سرسبز برڈائنگ فلور تھا جہاں ایک غیر ملکی رقاصہ نیم عریاں لباس میں رقص کر رہی تھی۔ تنویر اور جوہان نے میک اپ میں یو پیٹن نظر آرہے تھے۔ ریگل کے بارے میں تنویر نے ایکسٹو کو رپورٹ دی تو اُس نے انھیں پھول خان اور سنگ ہی کی بات چیت سننے کے لیے کلب جانے کی ہدایت کی تھی۔ چنانچہ وہ دس بجے ہی یہاں آگئے تھے۔ اُس وقت کئی میزیں خالی تھیں چنانچہ وہ سردار پھول خان کی میز کے عقب میں دوسری میز پر بیٹھ گئے تھے۔ اب انھیں اُن دونوں کی آمد کا انتظار تھا۔ اُس وقت گیارہ بجنے میں پانچ منٹ

کم تھے۔

تقریباً دو منٹ بعد انھیں پھول خان اپنے باڈی گارڈز کے ساتھ کلب میں داخل ہوا دکھائی دیا۔ کلب کا میئنجر اُس کے استقبال کے لیے پسکا اور اُس کی میز تک اُس کے ساتھ آیا۔ جبکہ باڈی گارڈ دروازے کے قریب ہی دیوار کے ساتھ کھڑے ہو گئے تھے۔ پھول خان کو میز تک پہنچانے کے بعد میئنجر چلا گیا۔ اسی لمحے ایک ویٹر نے دھسکی کی بیل اور گلاس لاکر پھول خان کی میز پر رکھ دیا اور واپس چلا گیا۔ پھول خان ڈانسنگ فلور کی طرف دیکھتا ہوا گلاس میں شراب انڈیلنے لگا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد جب پھول خان دوبارہ گلاس بھر رہا تھا، بائیں جانب کی تیسری میز سے ایک آدمی اُٹھا اور پھول خان کی میز کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ وہ دروازہ سے اُس کی نظر آتا تھا۔

”ہیلو پرنس —“ اُپر سے آکر وہ آہستہ سے بولا۔

”اوہ — تم —“ سردار پھول خان چونک کر بولا۔  
”یلتھو — یلتھو —“

امریکی اُس کے سامنے والی گرسی بریڈٹھ گیا۔ ایک ویٹر اُن کی طرف آیا۔ پھول خان نے اُسے گلاس لانے کا حکم دیا اور ویٹر نے چند لمحوں میں گلاس لاکر میز پر رکھ دیا۔ اُس کے جانے کے بعد پھول خان نے امریکی کے لیے گلاس میں دھسکی ڈالی۔

”تمہارے آدمی سے میری بات فائنل نہیں ہو سکی تھی مسٹر اسمتھ —“

پھول خان نے ایک لمحہ بعد کہا۔ ”پھر اُس نے فون پر اطلاع دی تھی کہ تم گیارہ بجے خود آکر یہاں بات کرو گے۔“

”ہاں —“ اسمتھ نامی شخص نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں نے سوچا آپ سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور بات بھی۔ آپ نے اتنی زیادہ رقم مانگی ہے کہ مجھے سُن کر ہی پسند آ گیا تھا۔“

”حالانکہ تمہیں دوست سمجھ کر میں نے بہت کم معاوضہ مانگا ہے۔“ پھول خان نے ہنس کر کہا۔

”پرنس — کیا یہ ممکن نہیں کہ فی الحال آپ پچیس لاکھ — اسمتھ نے کہنا چاہا۔

”نہیں مسٹر اسمتھ — پچاس لاکھ سے ایک بیسہ بھی کم نہ ہو گا۔“ پھول خان اُس کی بات کا ٹٹا ہوا بولا۔

”ٹھیک — پچاس لاکھ ہی۔ مگر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کو سر دست پچیس لاکھ ادا کیے جائیں گے۔ بقیہ رقم ایک ماہ بعد۔“  
”ایک ماہ تو بہت زیادہ عرصہ ہے۔“ پھول خان نے چمکتے ہوئے کہا۔

”تیس دن گزرتے دیر نہیں لگتی پرنس۔“ اسمتھ نے مسکرا کر کہا۔  
”ویسے ہی آپ نے یہ رقم ابھی خرچ تو کر فی نہیں ہے۔“

”ہوں۔“ پھول خان نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”اچھا ٹھیک ہے۔ تم پچیس لاکھ میرے اکاؤنٹ میں جمع کرادو۔“

”بہت بہتر۔“ اسمتھ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اس ہفتہ میں رقم جمع کرادی جائے گی۔“

”ایک بات کا خیال رکھنا ہوگا تمہیں۔“ پھول خان بولا۔ ”اس سودے کا بابا جان کو بہتہ چل گیا تو سودا منسوخ ہو جائے گا اور میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔“

”آپ بے فکر رہیں۔ کسی کو اس معاملہ کی ہوا بھی نہیں لگنے دی جائے گی۔“ اسمتھ نے کہا۔ ”مگر یہ ضروری ہے کہ آپ اُن اطراف میں کسی غیر متعلق شخص کو نہ جانے دیں۔ کیونکہ مجھے چند افراد کی طرف سے خطرہ ہے۔“

”خطرہ — کون ہیں وہ —“ پھول خان نے حیرت سے

پوچھا۔

”وہی جن کا میں پچھلی ملاقات میں ذکر کر چکا ہوں۔“ اسمتھ نے کہا۔ ”ممکن ہے وہ آپ کے لیے بھی خطرہ بن جائیں۔ اور ہماری تلاش میں آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔“

”تم میری فکر مت کرو مسٹر اسمتھ۔“ پھول خان مسکرایا۔ ”ویسے میں کل ہی چیک پوسٹ پر اپنے خاص آدمی متعین کر دوں گا۔ تم سے دوسری ملاقات کب ہوگی۔“

”کل رات اسی وقت یہیں پر۔“ اسمتھ نے کہا۔

”تمہاری رہائش کہاں ہے۔“ پھول خان نے پوچھا۔

”سورہی — میں آپ کے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا پرنس۔“

اسمتھ نے معذرت کی۔ ”اسی میں ہم دونوں کی بہتری ہے۔“

”و غیر — جیسے تمہاری مرضی۔“ پھول خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”سنا ہے آپ کا آج کوئی نیا مہمان آیا ہے —؟“ اسمتھ نے

مذبحوں لہجہ کہا۔

”ہاں — وہ ڈنمارک کی ایک لڑکی ہے۔ بابا جان کے ایک دوست کی معرفت میرے پاس آئی ہے۔“

تنویر اور چوہان خاموشی سے اُن کی گفتگو سن رہے تھے۔ اُن کے اندازے کے مطابق اسمتھ نامی شخص سنگ ہی ہو سکتا تھا۔

”اچھا پرنس — اب میں چلتا ہوں۔“ اسمتھ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

پھول خان نے سر ہلادیا اور اسمتھ ہال کے خارجی دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اُس کے باہر نکلتے ہی تنویر اور چوہان بھی تیزی سے اُٹھے اور دروازے کی طرف چل دیے۔ وہ باہر آئے تو سڑک کے کنارے کھڑی ایک کار روانہ ہو رہی تھی۔ اُن کی اپنی کار سڑک کی دوسری جانب کھڑی تھی۔ وہ دونوں جلدی سے اپنی کار میں بیٹھے اور اسمتھ کے پیچھے چل دیے جو اُن کے خیال میں سنگ ہی تھا۔

”تم ایکسٹو کو کال کرو۔“ تنویر نے چوہان سے کہا۔

اور چوہان ایکسٹو سے وائچ ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کرنے لگا۔ رابطہ قائم ہونے پر اُس نے رپورٹ دی۔



”اس پر نظر رکھو — اور اُس کی رہائش گاہ معلوم کرو۔“ ایکسٹون ہدایت کی۔ ”اور اینڈ آل۔“

جوہان نے رابطہ ختم ہونے پر ٹرانسٹر آف کر دیا۔ عقب میں دو تین گاڑیاں آ رہی تھیں جبکہ سنگ ہی کی کار اُن سے بیس پیچیں گز کے فاصلے پر دوڑ رہی تھی۔ چوک پر پہنچ کر اگلی کار دائیں طرف مڑ گئی۔ وہ بھی اسی سڑک پر مڑ گئی۔ چند لمحوں بعد سنگ ہی کی کار ایک اور چوک پر پہنچی اور بائیں ہاتھ مڑ گئی۔ تقریباً نصف فرلانگ ملے کرنے کے بعد سنگ ہی کی کار سڑک کے کنارے ٹک گئی۔ تنویر نے فوراً بریک لگائی اور سنگ ہی کی کار سے بیس پیچیں گز پیچھے کار روک لی۔ عقب میں آنے والی گاڑیوں میں سے دو گاڑیاں اُن کے قریب سے گزریں۔ تیسری گاڑی اُن کے قریب پہنچ کر یکدم ٹکی اور اُس میں سے دو افراد نکل کر اُن کے دائیں بائیں پہنچ گئے۔ اُن کے ہاتھوں میں ریوالتھ اور ٹسکلوں سے وہ غیر ملکی دکھائی دیتے تھے۔ اسی لمحے سنگ ہی کی کار دوبارہ چل پڑی۔

”خبردار — ہاتھ بلند کر کے باہر نکل آؤ۔“ ایک آدمی نے جوہان کی کپٹی کو ریوالتھ کی نال سے چھوتے ہوئے حکم دیا۔

”کیا بات ہے۔ کون ہو تم۔“ تنویر نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔  
”دشٹ اپ — زیادہ جیل و محبت کی تو میں سر میں سو رانج کر دے گا۔“ دوسرا آدمی غزایا۔ ”چلو باہر نکلو۔“

تنویر نے جوہان کی طرف دیکھا اور جوہان نے تنویر کی طرف۔ سنگ ہی کی

کار ایک موٹر پر غائب ہو چکی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ بلند کیے کار سے اُتر آئے۔ ایک آدمی نے عقب میں آکر جوہان کی تلاشی لی اور اُس کی جیب سے ریوالتھ نکال لیا۔ پھر وہ تنویر کے عقب میں آیا اور اُس کی تلاشی لینا ہی چاہتا تھا کہ تنویر نے یکدم ایڑیوں کے بل گھومتے ہوئے اُس کی ناک پر سٹکار سید کر دیا۔ وہ آدمی لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا۔ اُس کے ہاتھ سے ریوالتھ گر گیا۔ دوسرے نے جلدی سے تنویر پر فائر کر دیا۔ تنویر کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ بازو مقام کر رہ گیا۔

جوہان نے جلدی سے فائر کرنے والے پر جست کی مگر اُس شخص نے پھر قی سے اُس پر بھی فائر کر دیا۔ بے آواز ریوالتھ کی گولی کھا کر جوہان گر پڑا۔ اور اُس آدمی نے جھک کر جوہان کے سر پر ریوالتھ کا دستہ رسید کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے جوہان کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

لفتننٹ کاؤ کر گیا۔

”وہ یقیناً سنگ ہی کی ساتھی ہے“۔ ایکسٹونے اُس کی رپورٹ سُن کر کہا۔ ”تم کمرے میں مجھے کال مت کرنا“۔

”بہت بہتر سر —“ جولیانے کہا۔

”پارس ہٹل میں تمہارے لیے ایک کمرہ جگ کر دیا گیا ہے۔ بوقت ضرورت تم وہاں جا سکتی ہو۔ کاؤنٹر پر اپنا فرضی نام بتا کر تم چابی حاصل کر سکو گی۔ اگر مارتھا کہیں جائے یا اُس کا کوئی ملنے والا دہاں آئے تو اُس کا تعاقب کرنا“۔ ایکسٹونے مزید ہدایات دیں۔ ”اور رائیڈ آؤ“۔

جولیانے ایکسٹونے کے خاموش ہونے پر وائچ ٹرانسمیٹر آف کر دیا اور ایک چوک سے کار شہر کے گنجان حصے کی طرف موڑ دی۔ چند سڑکیں گھومنے کے بعد ایک سڑک پر اُسے کشمیری ہٹل نظر آیا تو اُس نے کار ہٹل کے باہر روک دی اور انجن بند کر کے اُتر آئی۔ وہ ہٹل میں داخل ہوئی اور کپاؤنڈ سے گزر کر ہال میں داخل ہوئی۔ ہال میں زیادہ رش نہیں تھا۔ وہ ایک میز پر بیٹھ گئی۔ فوراً ہی ایک ویٹر اُس کے قریب آگیا۔

”کاؤنٹر پر جا کر بتا دو کہ میرا نام مس ٹیلی ہے۔ پھر کھانا لے آنا“۔

ویٹر اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھتا ہوا کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ جولیانے اُسے دیکھتی رہی۔ ویٹر نے کاؤنٹر کھڑک سے بات کی اور کھڑک پر جولیانے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے ویٹر کے کچھ کہا اور وہ ایک طرف بڑھ گیا۔ جولیانے مطمئن ہو کر ہال میں بیٹھے لوگوں کا جائزہ لینے لگی۔ چند منٹ بعد ویٹر کھانا لے

کمرے میں سردار پھول خان کی سیکرٹری مارتھا ایک گری سی پر بیٹھی فون پر کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ جولیانے غور سے سُننے لگی۔

”مجھے یقین ہے کہ وہ میک اپ میں ہے۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں ہی ہے۔ بہت بہتر لباس۔ آپ بے فکر رہیں۔ میں غافل نہیں رہوں گی نہیں + خان ایک گھنٹہ پہلے جا چکا ہے۔ سہ کرانٹ“۔

جولیانے اُسے ریسورس کرڈل پر رکھتے ہوئے دیکھا تو بے پاؤں آگے بڑھ گئی۔ کپاؤنڈ میں آکر وہ اپنی کار میں بیٹھی اور انجن اشارے کر کے چل پڑی۔ گیٹ پر کھڑے مسلح محافظ نے اُسے دیکھ کر گیٹ کھول دیا۔ باہر آکر جولیانے ایک طرف کار دوڑاتے ہوئے وائچ ٹرانسمیٹر آن کیا اور ایکسٹونے کو کال کرنے لگی۔ رابطہ قائم ہونے پر اُس نے مارتھا کی فون پر ہونے والی

یا۔ اُس نے کھانا میز پر سجایا اور مٹوہ بانہ لہجے میں کہنے لگا۔

”آپ خان کی مہان میں۔ آپ کو تو اُدھری ہال میں بیٹھنا چاہیے تھا۔“  
”کوئی بات نہیں۔ میں یہاں ٹھیک ہوں۔“ جولیانا نے کہا۔ ”کھانے

کے بعد کافی لے آنا“

ویٹر چلا گیا اور وہ کھانا کھانے لگی۔ دوسری میزوں کی نسبت اُس کی میز پر زیادہ لوازمات نظر آ رہے تھے۔ یقیناً مارتھانے ہوٹل کے کلرک کو اُس کے بارے میں بتا رکھا تھا۔ اُس نے کھانا ختم کیا تو ویٹر کافی لے آیا۔ ٹھیک اسی لمحے ہال میں ایک غولصورت اور صحت مند لڑکی داخل ہوئی دکھائی دی۔ وہ اطمینان سے جلتی ہوئی جولیانا کے دائیں ہاتھ کی میز پر پہنچی تو وہاں بیٹھا ایک سفید فام شخص اُسے دیکھ کر تیزی سے کھڑا ہو گیا۔

”تشریف رکھیں مادام۔“ اُس نے بڑے ادب سے کہا۔

وہ لڑکی جو بچپن میں برس کی معلوم ہوتی تھی۔ گری پر بیٹھ گئی۔ پھر اُس کے اشارے پر سفید فام بھی بیٹھ گیا۔ لڑکی شکل سے فرانسیسی لگتی تھی۔ اور اس نے پھولدار اسکرٹ پہنا ہوا تھا۔

”کیا رپورٹ ہے۔“ اُس نے مرد سے پوچھا۔

اور اُس کی آواز سن کر جولیانا نے اختیار چونک پڑی۔ بلاشبہ وہ آواز تھریسیا

کی تھی۔

”ابھی تک میں اس کی رہائش گاہ تلاش نہیں کر سکا۔“ سفید فام کی آواز سنائی دی۔ ”نہی یہ معلوم ہو سکا ہے کہ اُس نے عمان کی بہن کو کہاں چھپا رکھا ہے۔“

نریکل سے بات کی تھی مگر وہ بھی نہیں جانتا۔“

”اچھا۔۔۔ تم بیٹھو۔۔۔ میں ذرا ہاتھ دھو کر آ رہی ہوں۔“ تھریسیا اُس سے کہا۔

اور اُسٹھ گئی۔ اُس کاٹخ ہال کی اس دیوار کی جانب تھا جس کے عقب میں دروم ہونے کا امکان تھا۔ جولیانا نے ایک لمحہ کے لیے سوچا۔ پھر وہ بھی اٹھی۔ اُس طرف چل دی جب تھریسیا گئی تھی۔ ہال کی دوسری جانب چند ہاتھ دھو رہے تھے۔ اُس سے ایک کا دروازہ بند تھا۔ جولیانا دبے پاؤں اُس ہاتھ دھو رہے کے قریب ن کو اندر سے تھریسیا کی آواز سنائی دینے لگی جو دم تھی۔ جولیانا نے کوئی ٹ پیدا کیے بغیر دروازے سے کان لگا دیا۔

”میں تھریس۔۔۔ سنگ ریسیونگ۔ تم کب پہنچی ہو۔“ اندر سے ہزارانہ آواز سنائی دی۔

”پندرہ منٹ پہلے۔“ تھریسیا کی آواز سنائی دی۔ یقیناً وہ سنگ ہی سے سمیٹر پر بات کر رہی تھی۔

”و رہائش کہاں ہے۔ اور اس وقت تم کہاں ہو۔“ سنگ ہی کی آواز سنائی دی۔

”ابھی رہائش کا بندوبست نہیں کیا۔“ تھریسیا نے کہا۔ ”تم کہاں سے ہو۔“ اور مشن کا کیا رہا۔“

”مشن جلدی مکمل ہو جائے گا۔ تم بے فکر رہو۔ میں کوشش کر رہا ہوں۔“

پچاس لاکھ پرمان جاتے۔“

”اپنی رہائش گاہ کا پتہ بتادو۔ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔“  
 ”میں فی الحال ایک دوست کے پاس مقیم ہوں اور وہاں تمہارا آنا مناسب نہیں ہے۔“ سنگ ہی کی آواز سنائی دی۔ ”تم سناؤ۔ عمران نے پروفیسر بقراط کی فوٹ بک واپس کی ہے یا نہیں۔؟“

”نہیں۔ میں بشکل جان بچا کر آئی ہوں۔“ تھریسیا بولی۔ ”ویسے تم نے ثریا کو اغوا کر کے حماقت کا ثبوت دیا ہے۔ عمران بہت غضب ناک ہو رہا ہے۔“  
 ”ہونے دو۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ غضب ناک ہو۔ میں نے اُسے اشتعال دلانے کے لیے ثریا کو اغوا کیا ہے۔“ سنگ ہی نے ہنس کر کہا۔ ”اگر اُسے ثریا پر ہرگز توجہ نہ ہو تو وہ فوٹ بک واپس کر دے گا۔“

”کام کا آغاز کب ہو گا؟“ تھریسیا نے پوچھا۔ ”وقت کافی ضائع ہو رہا ہے۔“  
 ”پیرسوں سے کام شروع ہو جائے گا۔ آج میں پیرس سے ملاقات کروں گا۔“  
 ”ٹھیک ہے۔ جلدی کام پٹاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سیکرٹ سروس کو پتہ چل جائے۔“  
 تھریسیا نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ جولیا یہاں موجود ہے اور وہ پیرس کی مہمان بنی ہوئی ہے“  
 سنگ ہی بولا۔ ”پیرس کی سیکرٹری مارتھا دراصل ہماری ساتھی روزی ہے۔ اُس نے مجھے اطلاع دی تھی۔ جولیا مس ٹیلی بنی ہوئی ہے اور چند منٹ پہلے کشمیری ہوٹل میں کھانا کھا رہی تھی۔“

”اوہ۔۔۔ تمہیں کیسے پتہ چلا۔۔۔؟“ تھریسیا نے چونکتے ہوئے پوچھا۔  
 ”کاؤنٹر کلرک کے روپ میں ہمارا ہی آدمی وہاں کام کر رہا ہے۔“

”اچھا۔۔۔ پھر کسی وقت بات کروں گی۔ اور اینڈ آل۔“ تھریسیا نے کہا۔

اور جولیا دبے پاؤں واپس چل دی۔ ہال میں داخل ہوتے وقت اُس نے پلٹ کر دیکھا تو تھریسیا باہر آ رہی تھی۔ جولیا اپنی میز پر بیٹھنے کی بجائے ہال کے خارجی دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ سنگ ہی نے اُس کے متعلق تھریسیا کو آگاہ کر دیا تھا اور اس بات کا خطرہ تھا کہ تھریسیا اُسے دیکھ کر پہچان نہ لے۔  
 کیا وہ پیدیں آ کر اُس نے چند لمحوں کا انتظار کیا۔ پیر اپنی کار کی طرف بڑھ گئی۔ کار میں بیٹھ کر اُس نے وایچ ٹرانسپیریر ایجسٹو سے رابطہ قائم کر کے رپورٹ دی۔

”اُس کی نگرانی کرو۔“ ایک ٹونے جواب میں مختصر کہا۔ ”اُس کی رہائش گاہ معلوم ہونے کے بعد مجھے رپورٹ کرنا۔“

اس کے ساتھ ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ جولیا نے بھی وایچ ٹرانسپیریر کیا اور تھریسیا کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگی۔ وقت آہستہ آہستہ گزرنا رہا۔ نصف گھنٹہ بعد اُسے تشویش ہونے لگی۔ نجانے تھریسیا اب تک باہر کیوں نہیں آئی تھی۔ اگر وہ کھانا کھانے آئی تھی تو تب بھی اُسے اب تک فارغ ہو جانا چاہیے تھا۔ مزید پندرہ منٹ تک انتظار کرنے کے بعد وہ اکتا کر کار سے اُتری اور ہوٹل کے گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ ہال کے دروازے کے پاس پہنچ کر اُس نے شیشے سے اندر جھانکنا تو بے اختیار چونک پڑی۔ تھریسیا کی میز خالی پڑی تھی۔ وہ دروازہ پیش کر کے جلدی

سے اندر آئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی مگر تمہاریا اور اُس کا ماتحت ہال میں  
کہیں بھی موجود نہ تھے۔

سٹار لائٹ ہوٹل کے ایک کمرے میں جوزف، خاور، نعمانی، صدیقی  
اور صفدر عمران کے سامنے بیٹھے خاموشی سے اپنی اپنی جگہ کچھ سوچ رہے تھے۔  
یہ کمرے عمران نے ہی اُن کے لیے بک کر لائے تھے جو غالباً پہلے سے یہاں  
موجود تھا۔ خاور صدیقی نعمانی اور صفدر کچھ دیر پہلے ایکسٹو کے حکم پر بہادر پور  
پہنچے تھے اور ہوٹل کے کاؤنٹر پر اپنے فرضی نام بتانے سے انہیں کمروں کی  
چابیاں مل گئی تھیں۔ وہ سب غیر ملکیوں کے روپ میں تھے۔ ایکسٹو نے  
اُن کے لیے جو فرضی نام تجویز کیے تھے کمرے انہی ناموں سے بک کر وائے  
گئے تھے۔ وہ سفر کی تھکان دُور کرنے کے لیے غسل سے فارغ ہو کر صفدر  
کے کمرے میں جمع ہوئے تھے اور چائے منگوائی تھی۔ اور اُسی لمحے عمران اور  
جوزف آگئے تھے جو اُسی ہوٹل میں مقیم تھے۔

”اوہ — تو آپ یہاں آجائیں —“ پھول خان کی چونکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”ٹھیک ہے۔ میں ایک گھنٹہ تک پہنچ رہا ہوں۔“ عمران بولا۔  
 ”ایک گھنٹہ —“ پھول خان کے لمحے میں حیرت تھی۔ ”اتنی جلدی آپ یہاں پہنچ جائیں گے۔“

”کیوں نہیں — بہادر پور تک زیادہ سفر تو نہیں ہے۔ خدا حافظ!“ عمران نے کہا۔

اور ریسور رکھ دیا۔ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر سنجیدہ لہجے میں بولا۔

”تنویر اور چولان کا پتہ نہیں چل رہا۔ ممکن ہے وہ سنگ ہی کے ہتھے چڑھ گئے ہوں۔ تمہیں ہوشیار رہنا ہوگا۔ میری کال ملنے تک تم لوگ کمروں سے باہر نہیں نکلو گے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد میں واپس آؤں گا یا کال کروں گا۔“ اتنا کہہ کر وہ اٹھا اور جوزف کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ اُس کا کمرہ گراؤنڈ فلور پر تھا۔ وہ جوزف کے ساتھ اپنے کمرے میں آیا اور میک اپ جس نکال کر اپنی شکل بدلنے لگا۔ پہلا میک اپ صاف کر کے دوسرا میک اپ کرنے میں پون گھنٹہ صرف ہوا۔ جوزف پہلے ہی میک اپ میں تھا۔ رنگ اُس کا اب بھی کالا تھا مگر عمران نے میک اپ سے اُس کے چہرے کے نقش نگار تبدیل کر دیے تھے۔ وہ گزشتہ رات جویا کے آخری کال موصول ہونے کے بعد جوزف کے ہمراہ دار الحکومت سے یہاں

اگرچہ عمران گزشتہ رات ہی جوزف کے ساتھ یہاں پہنچ گیا تھا مگر اپنے ساتھیوں سے اُس نے یہی کہا تھا کہ ایک گھنٹہ پہلے پہنچا ہے۔ چلنے سے فارغ ہو کر وہ اب عمران کے بولنے کے منتظر تھے۔ کیونکہ ایکسٹونے کہا تھا کہ یہاں پہنچ کر انھیں عمران کی ہدایات پر عمل کرنا ہوگا۔ جوزف ایک جانب تنہا بیٹھا شراب کے گھونٹ لے رہا تھا۔

دفعۃً عمران نے میز پر رکھے فون کا ریسور اٹھایا اور ایک نمبر ملانے لگا۔

”ہیلو — پھول خان اسپیکنگ —“ سلسلہ ملنے پر آواز آئی۔

”میں رانا تہود علی صندوقی بول رہا ہوں خان۔“ عمران نے آواز بدل کر کہا۔

”کیا حال ہے رانا صاحب —“ پھول خان کی ہنستی ہوئی آواز سنائی دی۔

”مس ٹیلی کی طرف سے فکر مند تھا۔ سوچا آپ کو فون کر کے اُس کی غیریت معلوم کر لی جائے۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔

”وہ بخیریت ہے۔ آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ پھول خان نے بتایا۔

”شکریہ خان —“ عمران بولا۔ ”ویسے آپ سے میں نے ایک ضروری بات کرنی تھی۔ ہے تو وہ کاروباری گھر ذرا خفیہ ہے۔“

بہنچا تھا۔ بعد میں اُس کی ہدایات کے مطابق بلیک زیرو نے دوسرے ماتحتوں کو ادھر روانہ کر دیا تھا اور وہ دس بجے یہاں پہنچ گئے تھے۔ وہ سب اپنی اپنی کار میں آئے تھے۔

میک اپ کرنے کے بعد اُس نے جوزف کو ساتھ لیا اور کمرے سے نکل آیا۔ زینے اتر کر وہ ہال میں پہنچے اور باہر نکل آئے۔ کیاؤنڈ میں عمران کی کار کھڑی تھی۔ اُس کے اشارے پر جوزف نے اسٹیجنگ سنبھالا اور خود جتنی نشست پر بیٹھ گیا۔ جوزف نے اپنی اشارٹ کی کے کلا آگے بڑھا دی۔ عمران اُسے راستہ بتانے لگا۔ پانچ منٹ بعد کار پھول خان کی رہائش گاہ کے گیٹ پر روکی اور مسلح دربان آگے بڑھ آیا۔ عمران نے اُسے اپنا رانا تھوڑا سی صندوق والا کارڈ دکھایا۔ کارڈ پڑھ کر دربان نے ادب سے کہا۔  
”سردار آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ تشریف لائیں۔“

اُس نے پیچھے ہٹ کر گیٹ کھولا اور جوزف نے کار اندر داخل کر دی۔ برآمدے کے سامنے پہنچ کر جوزف نے کار روکی۔ پھر کار سے اتر کر بڑے ادب کے ساتھ بچھلا دروازہ کھولا اور عمران باہر نکل آیا۔ دربان بھی تیزی سے چلتا ہوا اُن کے قریب پہنچ گیا۔ اُس نے عمران کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور برآمدے میں داخل ہو گیا۔ عمران اُس کے پیچھے چل دیا۔ عمران کے عقب میں جوزف بڑے سچوکنے انداز میں چل رہا تھا۔ اس وقت اُس کی حیثیت عمران کے باڈی گارڈ کی تھی۔ اور اُس کے دونوں ہونٹروں میں دیوالورہ نظر آ رہے تھے۔

دربان نے راہداری کے ایک کمرے تک رہنمائی کی جو ڈرائیونگ روم تھا۔ عمران دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو کمرے میں کوئی نہ تھا۔ اُس نے پلٹ کر دربان کی طرف دیکھا۔

”آپ تشریف رکھیں۔ میں سردار کو اطلاع دیتا ہوں۔“ دربان نے جلدی سے کہا۔

اور ایک طرف بڑھ گیا۔ عمران صوفے پر آ بیٹھا اور جوزف اُس کے عقب میں کھڑا ہو گیا۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اور سردار پھول خان اندر داخل ہوا۔ عمران کھڑا ہو گیا۔ پھول خان نے مسکراتے ہوئے قریب آ کر اُس سے مصافحہ کیا اور عمران کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”آپ کا فون ملنے کے بعد سے اب تک میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کو کنسی خفیہ بات کرنا چاہتے ہیں۔ مگر پہلے یہ بتائیں کیا بیٹیں گے؟“  
”فی الحال کسی چیز کی طلب نہیں ہے خان۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔  
”وقت کم ہے۔ اس لیے میں اصل معاملے کی طرف آتا ہوں۔“

”میں بھی جاننے کے لیے بے چین ہوں۔“ پھول خان نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

”بات دہی ہے جو آپ سے مسٹر اسمتھ کر رہا ہے۔“ عمران نے پراسرار لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب۔“ پھول خان چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔  
”اُس سے آپ کا پچاس لاکھ میں معاملہ ہوا ہے اور وہ بھی پچیس لاکھ

اُدھار۔ عمران نے دوبارہ کہا۔ ”جبکہ میں آپ کو پچھتر لاکھ نقد کی آفر کرتا ہوں۔“

”اوہ — کیا واقعی —؟“ پھول خان بے یقینی کے انداز میں بولا۔  
 ”کہیں تو ابھی چیک کاٹ دیتا ہوں۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔  
 ”مگر میں اُس سے بات چکی کر چکا ہوں۔“ وہ سوچتا ہوا بولا۔  
 ”پہلے میں نے سوچا تھا کہ بڑے خان سے بات کروں گا۔ مگر پھر خیال آیا کہ اس طرح آپ کو کچھ نہ ملے گا۔“ عمران نے ہانسی پھینکا۔  
 ”یہ آپ نے اچھا کیا کہ بابا جان سے بات نہیں کی۔“ پھول خان نے مسکرا کر کہا۔ ”بہر حال میں آپ کو صبح تک جواب دوں گا۔ آپ آج یہیں قیام کریں۔“

دفعۃً عمران اُٹھا اور دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ پھول خان حیرت سے اُسے گھورنے لگا۔ قریب پہنچ کر عمران نے یکدم دروازہ کھول دیا۔ اور باہر کھڑی سفید نام لڑکی بولکھلا گئی۔ عمران نے تیزی سے اُس کا بازو پکڑ کر اندر کھینچا اور چھوڑ دیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی قالین پر جا گری۔ پھول خان حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا!  
 ”خان — غالباً یہ آپ کی سیکرٹری س مارتھا ہے۔“ عمران نے دروازہ بولٹ کر کے مڑتے ہوئے کہا۔

”ہاں — تم باہر کیا کر رہی تھیں؟“ خان نے مارتھا سے سخت لہجے میں پوچھا۔

”کک — کچھ نہیں باس۔“ وہ ہسکلائی۔ ”میں تو گزر رہی تھی کہ آنکھوں نے —؟“

”شرٹ اپ —؟“ عمران اُس کی بات کاٹتا ہوا غرایا۔ ”تم کئی منٹ سے دروازے پر موجود تھیں اور ہمدانی باتیں سن رہی تھیں۔ بولو یہ سچ ہے کہ میں تمہارا میک اپ صاف کروں —؟“  
 ”اوہ — یہ میک اپ میں ہے —؟“ پھول خان حیرت سے اُچھلتا ہوا بولا۔

”ہاں خان — اے اسمتھ نے آپ کی جاسوسی کے لیے یہاں چھوڑا ہوا ہے۔“ عمران نے کہا۔  
 ”میں کسی اسمتھ کو نہیں جانتی۔“ وہ خوفزدہ لہجے میں بولی اور کھڑی ہو گئی۔

اس پر عمران آگے بڑھا اور اُس نے مارتھا کے سر کے بال مٹھی میں جکڑ کر ہلکا سا جھٹکا دیا۔ دوسرے ہی لمحے بال اُس کے ہاتھ میں آگئے۔ یہ مصنوعی بالوں کی دگ تھی جس کے نیچے مارتھا کے اصل نہری بال چھپے ہوئے تھے۔ پھول خان کھڑا ہو گیا۔ وہ غصے سے کانپ رہا تھا۔

”میں تمہیں زمین میں گاڑ دوں گا بے حاش لڑکی۔“ وہ دھات ا۔  
 مگر دوسرے ہی لمحے مارتھا نے بائیں جانب جست کی اور اپنے لباس میں سے دیوالیہ نکال کر اُن پر تان لیا۔

”خبردار — اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا ورنہ خاتمہ کروں گی۔“ وہ



عمران اور پھول خان کو گھورتی ہوئی غرائی۔

مگر اسی لمحے ایک فائر ہوا اور اُس کے ہاتھ سے ریو اور نکل کر دو دروازے پر  
اُس نے چیخ کر اپنا زخمی ہاتھ مقام لیا جس سے خون جاری تھا۔ پھول خان نے  
جو زف کی طرف دیکھا جو مار تھا پر ریو اور تانے کھڑا تھا۔ فائر اُسی نے کیا تھا۔  
راہداری سے دوڑے قدموں کی آہٹیں ابھر رہی تھیں۔ اگلے ہی لمحے دروازے  
پر دستک ہونے لگی۔ عمران نے پھول خان کی طرف دیکھا تو اُس نے مسکرا کر کہا۔  
”کھول دو۔۔۔ میرے باڈی گارڈ ہوں گے۔“  
اور عمران مطمئن انداز میں سر ہلاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

**صفدر** نے ہالی ڈوٹ ناٹ کلب کے باہر کار روکی اور اتر

آیا۔ اس وقت رات کے نو بجے تھے اور وہ عمران کی ہدایت پر یہاں پہنچا  
تھا جس نے ایک گھنٹہ پہلے اُسے ٹرانسمیٹر پر کال کیا تھا۔ اُس کے دوسرے  
ساتھی دوپہر کے وقت عمران کی کال ملنے پر ہوٹل سے روانہ ہوئے تھے اور  
ابھی تک واپس نہ لوٹے تھے۔ صفدر کے فرشتے بھی نہیں جانتے تھے کہ  
عمران نے انہیں کس دھندے میں لگایا ہے۔ اُس نے تو وائچ ٹرانسمیٹر پر  
خاور سے یہی کہا تھا کہ وہ صدیقی اور عثمانی کو ساتھ لے کر کھانا کھانے کشمیر ہوٹل  
چلے آئیں جہاں وہ اُن کا منتظر تھا۔

کار کا دروازہ لاک کر کے وہ کلب کے گیٹ کی طرف بڑھا۔ گیٹ کے  
باہر کپڑے کے بورڈ پر ایک اعلان لکھا تھا۔

” امریکہ کا مقبول ترین ڈسکو فن کار مائیکل جیکسن آج رات ہالی وڈ کے سٹیج پر اپنے فن کا مظاہرہ کرے گا۔ داخلہ ٹکٹ پانچ سو اور تین سو روپے صرف۔“

صفا اعلان پڑھ کر کلب میں داخل ہوا۔ ہال کے دروازے پر دو افراد کھڑے اندر جانے والوں سے پیسے وصول کر رہے تھے۔ صفا نے عمران کی ہدایت کے مطابق تین سو روپے والا ٹکٹ لیا جس پر میز کا نمبر درج تھا۔ یہ نمبر آخری روکی میزوں میں سے ایک کا تھا۔ وہ ہال میں داخل ہوا تو بیشتر میز پر ہو چکی تھیں۔ وہ نمبر کے مطابق آخری روکی ساڑھے نو بجے کا وقت ساڑھے نو بجے تھا۔ وقت گزرا اسی کے لیے اُس نے پائے منگوائی اور اگر کوئی لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔ اُن میں سے بیشتر بغیر ملکی تھے۔

ساڑھے نو بجے سے پہلے ہی یقینی خالی میزیں آباد ہوئیں۔ ہال میں داخل ہونے والے آخری چار افراد سردار مہول خان اور اُس کے تین باڈی گارڈ تھے۔ جو دروازے کے پاس ہی ٹک کئے تھے۔ جبکہ پھول خان پہلی رو میں اپنے لیے مخصوص میز پر جا بیٹھا۔ یہ کلب اُسی کی ملکیت تھا شاید اس لیے اُسے اسٹیج کے بالکل سامنے جگہ دی گئی تھی۔ چند لمحوں بعد ہال کی روشنیوں مدھم ہو گئیں اور اسٹیج پر تیز روشنیاں پڑنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی آئین پر کلب کا منظر نمودار ہوا اور ہاتھ میں کچڑے مائیک ہر لہنے لگا۔

”دعوتِ تین حضرات — چند لمحوں اب امریکہ کا مقبول ترین اور بین الاقوامی ڈسکو ڈانسر مائیکل جیکسن آپ کے سامنے آ رہا ہے۔ کلب کے انتظامیہ نے آپ کی تفریح کے لیے اسے منسوب اور پہنچایا ہے۔ ہمیں یقین

ہے کہ آپ صبر و تحمل کے ساتھ جیکسن کے فن سے محفوظ رہیں گے۔ شکریہ!“

میجر پردے کے پیچھے چلا گیا۔ اور ہال میں لگے اسپیکروں سے تیز موسیقی خارج ہونے لگی۔ صفا چونکا ہوا گیا۔ عمران نے اُسے ہدایت دیتے ہوئے بتایا تھا کہ کلب میں ہنگامے کا امکان ہے۔ اُس نے ہال کا طائرانہ جائزہ لیا اور اُسے کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی لیکن اس کے باوجود چھٹی جس کمرہ ہی تھی کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوگی۔

دفعہ ایک میز چھٹا ہوا اور میز پر بند ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسٹیج پر پڑا پردہ یکدم دائیں بائیں ہٹا اور وہاں مائیکل جیکسن نظر آنے لگا۔ اُس کے ہاتھ میں مائیک تھا اور وہ ایک ہاتھ لعل میں دیئے ٹانگٹ چڑھائے بڑے سٹائل کے ساتھ کھڑا تھا۔ اُسٹائیل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فوراً ہی ہال میں تالیاں گونجنے لگیں۔ تالیوں کی گونج ختم ہوتے ہی مائیکل جیکسن نے حرکت کی اور اس کے ساتھ ہی موسیقی کی آواز ہال میں پھیلنے لگی۔

صفا حیرت زدہ تھا کہ مائیکل وہاں کہاں سے ٹپک پڑا۔ یہ ناممکن تھا کہ مائیکل امریکہ سے براہ راست بہادر پور پہنچتا جبکہ ریاست میں کوئی ہوائی اڈہ نہیں تھا۔ اُسے لازماً پاکیشا کے دار الحکومت میں اترنا پڑتا اور پورے ملک میں اُس کی آمد کی خبر پھیل جاتی جبکہ صفا نے پہلے کوئی خبر نہیں سنی تھی۔

مائیکل موسیقی کی لے پر تھرکنے لگا تھا۔ جو جوں موسیقی تیز ہوتی گئی۔ مائیکل کے ناچ میں بھی تیزی آتی چلی گئی وہ ڈسکو ناچ پیش کر رہا تھا اور صفا کو یہ بے ہنگم رقص قطعی ناپسند تھا۔ ڈسکو ناچ بے معنی سی اچھل کود کا نام تھا

اس کے باوجود سینکڑوں لوگ بڑے شوق و انہماک سے ڈسکو رقص دیکھ رہے تھے اور مائیکل کی ہر ادھر ادھر اور دو تھمپن کے ڈونگے برسارہے تھے۔  
 دفعتاً صفدر کی نظر اپنے دائیں جانب تیسری میز سے اٹھتے ہوئے شخص پر پڑی۔ وہ غیر ملکی ہی معلوم ہوتا تھا۔ وہ اٹھ کر اسٹیج کی طرف بڑھنے لگا۔ اُس کے دونوں ہاتھ جیبوں میں تھے۔ صفدر بے چین ہو گیا۔ وہ شخص بڑے اطمینان سے آگے بڑھ رہا تھا۔ تماشائی مائیکل جیکسن پر نگاہیں جمائے بیٹھے تھے اور کوئی شخص اُس غیر ملکی کی طرف متوجہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔  
 چند لمحوں بعد صفدر نے اُسے پہلی رو میں پھول خان کی میز کے پاس رکتے دیکھا۔ پھر وہ شخص پھول خان کے پاس ایک گہری پر بیٹھ گیا۔ چند منٹ اور گزر گئے۔ اسٹیج پر اچھلتے کودتے مائیکل جیکسن کا جسم بجلی کی سی تیزی سے حرکت کر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اُس کے جسم میں پارہ بھرا ہوا ہو۔  
 اچانک مائیکل کا جسم فرش سے بلند ہوا اور دوسرے ہی لمحے اٹتا ہوا پھول خان کی میز پر گر کر نظر آیا۔ صفدر نے تیزی سے کھڑے ہو کر اُدھر دیکھا تو مائیکل اور پھول خان کی میز پر بیٹھا ہوا غیر ملکی فرش پر گرتے نظر آئے۔ فوراً ہی ہال تماشائیوں کے شور سے گونجنے لگا۔ پھول خان کو کھلا کر کھڑا ہوتا نظر آیا۔ صفدر کی سمجھ میں کچھ نہ آیا مگر پھر بھی وہ تیزی سے اُس طرف طرف دوڑ پڑا۔ ابھی وہ اُن کے قریب ہی پہنچا تھا کہ اچانک ہال میں گھپ اندھیرا پھیل گیا۔ اس کے ساتھ ہی میز پر کرسیاں اٹھنے لگیں۔ شاید کسی نے مین سوئچ آف کر دیا تھا۔ تماشائی جم رہے تھے۔

اندھیرا ہوتے ہی صفدر کسی سے ٹکرا کر لڑکھڑا گیا۔ اسی لمحے اُسے عمران کی چیختی ہوئی آواز سنا دی۔

”صفدر — عجبی جانب —“

صفدر سمجھتا اور اندازے سے ہال کی اُس سمت بڑھنے لگا جہر کاب کا عجبی گیٹ ہو سکتا تھا۔ وہ لوگوں سے ٹکراتا اور انہیں دھکیلتا ہوا ہال سے ملحقہ راہداری میں پہنچا ہی تھا کہ ہال میں روشنی ہو گئی مگر وہ ہال کا منظر دیکھنے کے لیے نہ رکا اور راہداری میں دوڑتا چلا گیا جس کے اختتام پر ایک کھلا ہوا دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دروازے سے باہر نکلا تو اُدھر ایک نیم تاریک گلی تھی اور کچھ فاصلے پر ایک سایہ دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ سچانے وہ کون تھا۔ صفدر بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ وہ گلی گھوم کر ایک سڑک پر پہنچی تھی جس پر کلب کا فرنٹ تھا۔  
 دفعتاً دوڑتا ہوا سایہ یکدم رکا اور دوسرے ہی لمحے ایک سُرخ انگار اسٹاناٹا ہوا صفدر کے کان کے قریب سے گزر گیا۔ صفدر حیران ہو گیا۔ سایہ دوبارہ دوڑنے لگا تھا۔ یقیناً اُس کے پاس بے آواز ریو اید تھا۔ صفدر سے اُس کا فاصلہ تیس پینتیس فٹ تھا۔ اُس نے بھی اپنا سایہ منسہ لگا کر ریو اور نکال لیا۔ سایہ گلی کے اختتام پر پہنچنے والا تھا اور گلی باہر سڑک پر سٹریٹ لائٹ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

دفعتاً اُس نے سایہ نے دوبارہ سڑک فائر کر دیا۔ اس بار بھی گولی صفدر کو چھوئے بغیر اُس کے اُدھر سے گزر گئی۔ اُس نے جوابی فائر کیا مگر متحرک ہونے کے باعث گولی اپنے صف کو نہ چھو سکی اور وہ آدمی دوڑتا ہوا گلی سے نکل گیا۔

صفدر زیادہ تیزی سے دوڑتا ہوا گلی کے اختتام پر پہنچا۔ ٹھیک اسی لمحے نگر پڑا وہی آدمی نمودار ہوا اور اُس نے صفدر پر فائر کر دیا۔ سڑیٹ لائیٹ کی روشنی میں اب وہ واضح نظر آ رہا تھا اور اُس کی شکل دیکھ کر صفدر کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ کیونکہ وہ شخص وہی تھا جس پر مائیکل جیکسن نے اسٹیج پر سے چھلانگ لگائی تھی۔ اُس کے فائر کرتے ہی صفدر بائیں جانب جھکا اور گولی اُس کے بازو کو چھوتی ہوئی گزیر گئی۔ لیکن صفدر کے بازو کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا البتہ کوٹ کی آستین خراب ہو گئی تھی۔

صفدر کے بیٹھنے سے پہلے ہی وہ سفید نام بائیں سمت دوڑتا چلا گیا۔ صفدر نے گلی سے نکل کر اُس کے پیچھے دوڑتے ہوئے اُس پر فائر کیا اور اُس آدمی نے دوڑتے دوڑتے اپنا شانہ پکڑ لیا۔ ٹھیک اسی لمحے اُس طرف سے آتی ہوئی ایک تیز رفتار کار سفید نام کے قریب پہنچی اور اُس کے رکتے ہی سفید نام اچھل کر اُس کے کھلے دروازے سے اندر جا پڑا۔ اس سے پہلے کہ صفدر کچھ سمجھتا، وہ کاد اُس کے قریب پہنچی اور صفدر پر گولیوں کی دھجھاڑ کرتی گزیر گئی۔ اسٹین گن چلائی گئی گولیاں صفدر کے دائیں جانب سے گزر گئیں مگر ایک گولی بھٹک گئی تھی۔ گولی صفدر کے بازو میں لگی اور اُس کے ہاتھ سے دیوالور گزیر پڑا۔

ٹھیک اسی لمحے کلب کی طرف سے آتی ہوئی ایک تیز رفتار کار ایک جھٹکے سے صفدر کے قریب آئی۔ بریکوں کی جبرجور اسٹپن کر صفدر نے کار کی طرف دیکھا اور اُس کی ڈرائیونگ سیدٹ پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر حیرت کے مارے اُس کی آنکھیں پھیلی چلی گئیں۔

**چوہان** کو ہوش آیا تو اُس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور اُس کے قریب ہی فرش پر تنویر پڑا غراٹے لے رہا تھا۔ چوہان نے ذہن پر زور دیا تو اُسے گزرا ہوا واقعہ یاد آیا اور وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ اُسے کوئی اندازہ نہ تھا کہ وہ کتنی دیر بنے ہوش رہا تھا۔ ہاتھ پشت پر مضبوطی سے بندھے ہونے کے سبب وہ گھڑی پر وقت نہیں دیکھ سکتا تھا البتہ روشندان سے آتی ہوئی دھوپ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ساری رات بے ہوش رہے تھے۔

اُس نے تنویر کو پکارا مگر تنویر کی آنکھ نہ کھلی تب اُس نے پاؤں کی مدد سے اُس کے جسم کو جھنجھوڑا اور تنویر کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے خمدار آلودہ نگاہوں سے چوہان کی طرف دیکھا اور دوبارہ آنکھیں بند کرنا ہوا۔

”کیا بات ہے چوہان — تم میرے کمرے میں کیا کر رہے ہو —؟“

اُس نے بوجھل لہجے میں کہا تھا۔

”ہوش میں آ جاؤ پیارے“۔ چوہان نے مسکرا کر کہا۔ ”دوہم دشمن کے قید میں ہیں۔“

اور تنویر نے یکدم آنکھیں کھول دیں۔ دوسرے ہی لمحے وہ اٹھ بیٹھا اور حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اُس کے ہاتھ بھی بندھے ہوئے تھے۔ کمرے کا واحد دروازہ بند تھا اور کمرہ سازو سامان سے عاری تھا۔ کمرے کی دیواریں پتھر کی تھیں اور روشندان کافی بلندی پر تھا جس میں دو سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ دروازہ بند تھا۔ چوہان نے اٹھ کر دروازے کا جائزہ لیا اور اُسے پاؤں کی مدد سے کھولنے کی کوشش کی مگر دروازہ نہ کھلا جس کا مطلب تھا کہ وہ باہر سے مقفل تھا۔

”ہم کہاں ہیں چوہان —“ تنویر نے چوہان کو مخاطب کیا۔

”معلوم نہیں۔ مجھے چند منٹ پہلے ہوش آیا تھا۔“ چوہان بولا۔ ”یقیناً یہ سنگ ہی کے گروہ کا ہی کوئی ٹھکانہ ہے۔ کسی ہڈل یا سر اسے کا کمرہ تو معلوم نہیں ہوتا۔“

چوہان کا جواب سن کر تنویر فکر مند نظر آنے لگا۔ چوہان اپنے کفوں میں چھپے تیز دھار بلیڈوں کو کلائیوں پر بندھی سی پر آزمائے لگا۔ چند لمحوں میں ہی سی کٹ گئی اور اُس کے ہاتھ آزاد ہو گئے۔ اُس نے جلدی سے درج پر وقت دیکھا اور متحیر رہ گیا۔ اس وقت شام کے ساڑھے پانچ بجے تھے۔ گویا وہ ساری رات اور سارا دن بے ہوش رہے تھے۔ سنگ ہی کے ساتھیوں نے انہیں یہ ہوش

کرنے کے لیے اُن کے سروں پر ریوالبور کے دستے رسید کیے تھے۔ اور چوہان کے اندازے کے مطابق وہ صبر میں ایسی نہیں تھی کہ وہ اتنی دیر تک بیہوش رہتے۔ یقیناً اُن کی بیہوشی کے دوران ہی انہیں مزید عرصہ کے لیے بیہوش رکھنے کا چارہ کیا گیا تھا۔

اُس نے تنویر کی بندشیں کھولیں اور پھر دروازے کے پاس آ کر باہر کی سن گن لینے لگا۔ لیکن باہر ساٹھا طاری تھا۔ دروازہ آہنی تھا اور اُس میں کوئی ایسا سوراخ نہیں تھا جس سے باہر جھانکا جاسکتا۔ وہ بلیٹ کر تنویر کے پاس آ بیٹھا۔ تنویر نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

”باہر خاموشی ہے۔ خدا جانے یہاں ہمارے علاوہ کوئی اور ہے بھی یا نہیں۔“ چوہان نے طویل سانس لے کر کہا۔

”جیف سے بات کرو۔“ تنویر بولا۔ ”ممکن ہے اس دوران اُس نے ہمیں کال کیا ہو۔“

چوہان نے وایچ ٹرانسمیٹر آن کیا اور ایکسٹو کو کال کرنے لگا۔

”ہیلو جیف — چوہان کا لنگ اور۔“

”یس چوہان — ایکسٹو اینڈنگ۔“ چند لمحوں بعد ایکسٹو کی آواز آئی۔

”کہاں ہو تم۔ کئی بار کال کر چکا ہوں مگر جواب نہیں ملا۔“

”ہم دونوں رات سے اب تک بے ہوش تھے جناب۔“ چوہان نے ادب سے کہا۔

اور سارا واقعہ تفصیل سے بیان کر ڈالا۔ اُس کی بات سن کر ایکسٹو نے

کہا۔

وہ دونوں سفید نام تھے۔ اُن کے ہاتھوں سے اسٹین گنیں گر گئیں۔ چوہان نے ایک آدمی کو گر بہان سے پکڑ کر جھٹکے سے کھینچا اور وہ تیزی سے سامنے والی دیوار کے ساتھ جا ٹکرایا۔ تنویر نے دوسرے کی گردن اپنے بازو کی پیٹ میں لے کر دوسرے ہاتھ سے اُس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اُس کی پشت سے لگا دیا۔ اور وہ آدمی اپنی گردن اور ہاتھ چھڑانے کی جدوجہد کرنے لگا۔ دوسرا دیوار کے ساتھ ٹکرا کر اُٹھا ہی تھا کہ چوہان نے جھک کر ایک

”سنگ ہی کہاں ہے۔۔۔“ تنویر نے پوچھا۔  
 ”معلوم نہیں۔۔۔ وہ صبح سے کہیں گیا ہوا ہے۔“ اُس آدمی

نے جواب دیا۔

”وہ لوکی کہاں ہے جسے دار الحکومت سے اغوا کر کے لایا گیا تھا۔؟“  
تنویر نے سوال کیا۔

”لوکی۔۔۔؟“ دونوں سفید فام حیرت سے بے۔ پھر ایک نے کہا۔ ”ہمیں معلوم نہیں۔ یہاں تو کوئی لوکی نہیں ہے۔“

”جھوٹ بول رہے ہو۔۔۔؟“ تنویر دھاڑا۔

”تم تماشے لے سکتے ہو۔۔۔ دوسرا منہ بنا کر بولا۔

تنویر نے چوہان کو اشارہ کیا اور چوہان نے ایک آدمی کے سر پر گن کا دستہ رسید کر دیا۔ وہ کراہتا ہوا فرش پر لٹھک گیا۔ دوسرے نے بوکھلا کر پیچھے ہٹنا چاہا مگر اسی لمحے تنویر کی گن حرکت میں آئی اور اُس کی چیخ نکل گئی۔ گن کا کندہ اُس کے سر پر پڑا تھا۔ وہ بھی یہوش ہوتا ہوا فرش پر لیٹنا چلا گیا۔

اُن سے فارغ ہو کر وہ دونوں کمرے سے نکل آئے۔ اُس کمرے کے برابر میں ایک اور کمرہ تھا اور سامنے کشادہ صحن۔ چار دیواری دس بارہ فٹ بلند تھی اور اُس میں ایک دروازہ تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ خالی تھا۔ تب وہ بیرونی دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ عمارت کے عقب میں ایک بلند پہاڑی اور ارد گرد چٹانیں بکری ہوئی تھیں۔ ایک چھوٹی سی پتھر ملی سڑک دائیں جانب جا رہی تھی۔

”میرا خیال ہے ایکسٹو کورپورٹ کرنی چاہیے۔۔۔ چوہان نے ماحول

کا جائزہ لینے کے بعد تنویر سے کہا۔

”دور دور تک کسی ذی رُوح کا وجود نظر نہ آ رہا تھا۔ تنویر نے واچ ٹرائیمر آن کر کے ایکسٹو کو کال کیا اور رابطہ قائم ہونے پر رپورٹ دی۔

”اُن دونوں کو ختم کر دو اور شہر آ جاؤ۔ اپنے ہوشل پہنچ کر نئے میک اپ کر لینا۔ ایکسٹو نے ہدایت کی۔

اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔ تنویر نے ٹرائیمر آف کیا ہی تھا کہ کسی گاڑی کے انجن کا شور سنانی دینے لگا۔ اُنہوں نے سامنے دیکھا۔ آواز ادھر سے ہی آ رہی تھی مگر درمیان میں چٹانیں ہونے کی بنا پر وہ آئے والی گاڑی کو نہ دیکھ سکے۔

”شاید اس عمارت کا کوئی مکان آ رہا ہے۔“ چوہان نے جلدی سے کہا۔

”اس پر قابو پا کر ہم کار کے ذریعے شہر جائیں گے۔“ تنویر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

چوہان نے اُسے اشارہ کیا اور دونوں عمارت میں داخل ہو گئے۔ چوہان نے دروازہ بند کر دیا اور دونوں دروازے کی آڑ میں رک کر گاڑی کا انتظار کرنے لگے جس کا شور لمحہ بے لمحہ قریب آتا جا رہا تھا۔ ایک ڈیڑھ منٹ بعد کوئی گاڑی مکان کے باہر آ گئی اور اُس کا انجن بند ہو گیا۔ چند لمحوں بعد پتھر ملی زمین پر قدموں کی آہٹیں بلند ہونے لگیں۔ کوئی دروازے کی طرف آ رہا تھا۔ وہ دونوں ہوشیار ہو گئے اور گنیں سیدھی کر لیں۔ آہٹیں قریب آ گئیں۔ اور پھر دروازے پر دستک ہونے لگی۔ تنویر نے چوہان کی طرف دیکھا اور

ایک دولہ بعد دروازہ کھولتے ہوئے اُس نے اسٹین گن سیدھی کر لی۔  
لیکن دستک دینے والے پر نظر پڑتے ہی وہ بے اختیار چونک پڑا۔

## خاور

، صدیقی اور نعمانی کے ساتھ عمران کی ہدایت پر پچھلے  
نین گھنٹے سے پہاڑیوں میں گھوم رہا تھا۔ مگر اب تک منزل نظر نہ آئی تھی۔  
شام کے پانچ بجے تھے اور وہ بہادر پور شہر سے چار میل دُور تھے۔ اُن کے ارد گرد  
بے آب و گیاہ چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ پیدل چلنے سے وہ بُری طرح تھک  
گئے تھے۔

وہ ایک چٹان کے سائے میں بیٹھ گئے اور سکریٹ سلنگا کو آرام کرنے  
لئے۔ انھیں وہاں بیٹھے ابھی دو منٹ ہی ہوئے تھے کہ اچانک چٹان کے  
اٹیں بائیں سے چار نقاب پوش برآمد ہوئے اور اُن کے گرد بھیل گئے۔ اُن  
بے ہمتوں میں ٹامی گئیں تھیں اور اُن کے لباس مٹیا لے رنگ کے ایک  
سے تھے۔



”خبردار — کوئی حرکت نہ کرے —“ اُن چاروں میں سے  
 اب دراز قد نے سزا کر کہا۔ ”ہاتھ بلند کر لو“  
 خاور صدیقی اور نعمانی اس سچویشن پر زور ہو گئے اور اُنہوں نے ہاتھ  
 بلند کر لیے۔

”تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو —“ دراز قد نقاب پوش  
 نے سخت لہجے میں پوچھا۔

”ہم سیاح ہیں۔“ خاور بولا۔ ”سیر کرتے کرتے تھک گئے تھے اور۔“  
 ”شٹ اپ —“ دراز قد غریبا۔ ”سیاح تمہاری طرح کسی  
 ساز و سامان کے بغیر ان ویران پہاڑوں میں نہیں گھومتے۔ سچ سچ بتا دو۔  
 ورنہ ہلاک کر دیے جاؤ گے۔“

”ہمارا سامان یہاں سے کچھ دور ایک غار میں پڑا ہے۔“ خاور نے  
 جلدی سے کہا۔ ”مگر تم لوگ کون ہو —“

”ہم اس علاقے کے محافظ ہیں۔“ وہ بولا۔ ”اس طرف سیاحوں  
 کے آنے پر پابندی ہے۔“

”ہمیں معلوم تھا۔“ صدیقی نے مسکرا کر کہا۔ ”ورنہ ہم ادھر صرکا  
 رخ نہ کرتے۔“

”جارج — انہیں کیمپ میں لے چلیں۔ وہیں پوچھ گچھ کر لیں  
 گے۔“ ایک نقاب پوش بولا۔

”ٹھیک ہے۔“ جارج نامی نقاب پوش نے کہا۔ ”لے چلو انہیں۔“

پھر اُس نے اُن تینوں کو اٹھ کر اپنے آگے چلنے کا حکم دیا۔ اور اُنہوں نے  
 اُس کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ تینوں ہاتھ بلند کیے ٹامی گن بردار نقاب پوشوں کے  
 آگے چلنے لگے جوب و لہجہ سے یورپین معلوم ہوتے تھے۔ ایک اُن کے آگے دو اُن  
 اور بائیں اور چوتھا پیچھے چل رہا تھا۔ وہ چاروں مستعد نظر آ رہے تھے اور اُن کی  
 گنیں خاور صدیقی اور نعمانی کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ خاور سوچ رہا تھا کہ شاید  
 وہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں عمران نے ہدایات دیتے وقت بتایا تھا کہ اُن  
 سے ٹکراؤ کا امکان ہے۔

تقدیر بیا نصف فراگ چلنے کے بعد دن بھر کے تھکے مارے نعمانی کے  
 ٹامی گنیں جواب دینے لگیں۔

”ابھی اور کتنی دور چلنا ہے۔“ اُس نے پلٹ کر پیچھے آنے والے  
 سے پوچھا۔

”ابھی آدھا راستہ باقی ہے۔“ وہ درشت لہجے میں بولا۔  
 ”مگر تم ہمیں کہاں لے جا رہے ہو —“ صدیقی نے دائیں  
 جانب چلنے والے سے پوچھا۔

”تم خاموش نہیں رہ سکتے۔“ آگے چلنے والے نے پلٹ کر غصیلے لہجے میں  
 کہا۔

”اب بولنے پر بھی پابندی ہے یا —“ صدیقی نے مُنہ بنا کر کہا۔  
 ”منزل پر پہنچنے تک تم خاموش ہی رہو تو بہتر ہے ورنہ ہمیں دوسرا طریقہ  
 اختیار کرنا پڑے گا۔“ وہ نقاب پوش دھکی آمیز لہجے میں بولا۔

”دوسرا کونسا طریقہ ہے۔“ صدیقی پوچھ بیٹھا۔

اور یہی پوچھنا قیامت بن گیا۔ اُس نقاب پوش نے غراتے ہوئے کہا۔

”میرے۔“

اور ساتھ ہی اُس نے ٹامی گن کا کندہ صدیقی کے مُنہ پر رسید کر دیا۔ صدیقی لڑکھڑاتا اور کہتا ہوا پیچھے آنے والے نقاب پوش سے شکرایا اور اسی لمحے خاور نے صدیقی کو ضرب لگانے والے نقاب پوش پر حملہ کر دیا۔ اُس کا مُسکنا نقاب پوش کی ناک پر اور ہاتھ اُس کی گن پر پڑا۔ ٹامی گن خاور کے ہاتھ میں آگئی اور نقاب پوش بلبلا تا ہوا لڑکھڑا کر پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

بائیں جانب والے نقاب پوش نے تیزی سے خاور پر جھپٹنے کی کوشش کی مگر فوراً ہی نغمائی حرکت میں آیا اور اُس کا شاندار امداد اُس آدمی کے جڑے پر پڑا۔ وہ اُچھل کر پیچھے ہٹا اور عقب میں پڑے ایک بڑے پتھر سے ٹکرا کر پشت کے بل جاگرا۔ اُس کے ہاتھ سے گن چھوٹ گئی تھی۔ صدیقی عقب میں آنے والے سے ٹکرایا تھا اور وہ آدمی لڑکھڑا گیا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرتا۔ صدیقی نے پلٹ کر اُس کے پیٹ میں لات رسید کر دی۔ اور وہ درد سے ڈکراتا ہوا پیچھے جاگرا۔

خاور نے فوراً ہی ایک قدم پیچھے ہٹ کر ٹامی گن سے اُن چاروں کو گولی کر لیا تھا۔ چوتھے کے پاس ابھی تک اُس کی ٹامی گن موجود تھی۔ اُس نے گن سیدھی کی اور فائر کرنا ہی چاہتا تھا کہ نغمائی نے اُچھل کر اس کی گن پر پھو کہ رسید کی اور اُس کے ہاتھ سے گن چھوٹ کر دور جا گری۔ اب وہ چاروں بے

نظر آ رہے تھے اور ان کی ٹامی گنیں خاور، صدیقی اور نغمائی کے ہاتھوں میں تھیں۔

”اب بتاؤ۔“ تم ہمیں کہاں لے جا رہے تھے۔“ صدیقی نے ایک نقاب پوش سے سخت لہجے میں پوچھا۔

”تم یہاں سے بڑھ کر نہ جاسکو گے۔“ وہ نقاب پوش غرایا۔ ”یہاں قدم قدم پر پہرہ ہے۔“

”بکواس بند کرو۔“ میرے سوال کا جواب دو۔“ صدیقی دھاڑا۔

دفعاً خاور اور نغمائی کو صدیقی کی طرف متوجہ پا کر ایک آدمی نے خاور رجسٹ لگانے کی کوشش کی لیکن خاور غافل نہ تھا۔ اُس نے تیزی سے گن کا کندہ اُس آدمی کے مُنہ پر مارا اور وہ چیختا ہوا پیچھے جاگرا۔ اُس نے مُنہ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ شاید گن کی ضرب سے اُس کا ایک آدھ دانت بنی بگھ سے نکل گیا تھا۔

”میرا خیال ہے انھیں بے ہوش کر کے اُن کے لباس پہن لیں۔“ صدیقی نے خاور سے اُردو میں کہا۔

”مٹھرو۔“ میں چیف سے ہدایات لیتا ہوں۔“ خاور نے کہا۔ اور ایک طرف بڑھتا چلا گیا۔ نقاب پوشوں کے سامنے واپس پڑا نیمبر تعال نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ اُن سے اتنے فاصلے پر چلا گیا کہ اُس آواز نقاب پوش نہ سُن سکیں۔ ایک چٹان کی آڑ میں رُک کر اُس نے ج پرائیوٹ سے رابطہ قائم کیا۔

”ہیلو چیف — خاور کالنگ ادور۔“ وہ ٹوہانہ لہجے میں کہنے لگا۔

”یس خاور — ایکسٹوائنڈنگ ادور۔“ چند لمحوں بعد ٹرانسیر سے ایکسٹو کی آواز خارج ہوئی۔

”سر — میں عمران صاحب کی ہدایت پر صدیقی اور نعمانی کے ساتھ شمال مشرقی پہاڑیوں میں آیا تھا۔“ خاور نے کہا۔

اور تفصیل سے واقعات بتانے لگا۔ آخر میں بولا۔ ”اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔؟“

”اُن کے ٹھکانے پر پہنچو — اور وہاں کا جائزہ لے کر عمران کو کال کرو۔“ ایکسٹو نے کہا۔ ”اگر کوئی خطرہ محسوس ہو تو اُن چاروں کو خاموشی ختم کر ڈالو۔“

”بہت بہتر چیف —“ خاور بولا۔ ”کیا اُن کے ٹھکانے پر قبضہ کرنا ہے۔؟“

”نہیں — تم نے صرف اُن کا ٹھکانا بتے وہ کیمپ کہتے ہیں، دیکھو ہے۔ کیمپ میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں۔ اور اس بات کی حتی الامکان کوشش کرنا کہ کیمپ والوں کو متحاری موجودی کا علم نہ ہونے پائے۔ زیادہ بہتر ہے کہ وہاں پہنچ کر تم نقاب پوشوں کو ختم کر لے اُن کے لباس پہن لینا اور نقاب لگا کر کیمپ کے ارد گرد گھومتے رہنا۔“ اور اینڈ آل — ایکسٹو نے آخر میں کہا۔

اور اُس کی آواز آنا بند ہو گئی۔ خاور نے بھی مطمئن ہو کر ٹرانسیر آف کیا اور واپس اُس جانب چل دیا۔ جدھر اُس کے ساتھی موجود تھے۔ لیکن وہاں پہنچ کر وہ بے اختیار اُچھل پڑا۔ اُس کے ساتھی اور چاروں نقاب پوش اپنی جگہ سے یوں غائب تھے جیسے گڑھے کے سر سے سینک۔

لاٹک کے فاصلے پر نظر آرہی تھیں۔ مائیکل جیکسن نے خطرناک حد تک رفتار میں اضافہ کر دیا اور کار ہوا سے بائیں کرنے لگی۔ ایک چوک سے سفید فام کی کار دائیں جانب مڑتی دکھائی دی۔ وہ ابھی چوک سے نیس چالیس قدم پیچھے تھے۔ مائیکل جیکسن نے سفید فام کی کار مڑتے دیکھی تو فوراً دائیں جانب نظر آنے والی ایک شادہ گلی کی طرف کار موڑ دی۔ گلی میں دوڑتی ہوئی کار دوسری جانب کی ایک سڑک پر پہنچی اور اسی لمحے بائیں جانب سے ایک کار آتی دکھائی دی۔ اُس کی بنری رفتار سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سفید فام کی ہی کار تھی۔

مائیکل جیکسن نے فوراً بیک لگا کر کار سڑک کے وسط میں روک دی۔ اسی لمحے بائیں جانب سے آتی کار کے بیک چرچرائٹس اور وہ چھ سات گز کے فاصلے پر سے یوٹرن لے کر واپس دوڑتی چلی گئی۔ مائیکل جیکسن نے جلدی سے کار اُس طرف موڑ دی اور رفتار میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ چوک سے سفید فام کی کار دائیں جانب مڑ رہی تھی۔ صفدر خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا کہ مائیکل اُسے ساتھ کیوں لے آیا اور اُس کا مائیکل سے کیا تعلق ہے۔

چوک سے دائیں جانب مڑتے ہی مائیکل نے ایک بار پھر رفتار میں اضافہ کر دیا۔ اور چند لمحوں میں ہی وہ سفید فام کی کار کے پاس پہنچ گئے۔

ٹھیک اسی لمحے سفید فام کی کار سے کوئی چیز اڑتی ہوئی اُن کی طرف لپکی ودر کار کے پہلو سے گزرتی چلی گئی۔ ایک لمحہ بعد عقب میں غوغا نک دھماکا ہوا اور کار لرزہ کر رہ گئی۔ مائیکل جیکسن نے صفدر کی پرواہ کیے بغیر جیب سے ریو اور سکالا جس کی نال پر سائیکلسر نصب تھا۔ سفید فام کی کار اُن سے صرف آٹھ گز

## صفدر کی حیرت بجاتھی۔ کہ کار کی ڈرائیونگ سیٹ

پر مائیکل جیکسن بیٹھا تھا۔ وہی امریکی فن کار جو کچھ دیر پہلے ہالی وڈ ٹائٹ کلب میں ڈسکو رقص پیش کر رہا تھا اور جس نے ہنگامہ کی ابتدا کی تھی۔

”و جلدی بیٹھو سڑ صفدر۔“ انا مائیکل جیکسن جیٹا۔

اور صفدر تیزی سے پچھلا دروازہ کھول کر بائیں بیٹھ گیا۔ مائیکل جیکسن نے کار آگے بڑھائی اور رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ صفدر سوچ رہا تھا کہ مائیکل اُسے کس طرح جانتا ہے اور میک اپ کے بارے میں مائیکل نے اُسے کیسے پہچان لیا۔ جبکہ اس سے پہلے اُس کی کبھی خواب میں ہی مائیکل سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

کلب سے فرار ہونے والے سفید فام کی صفدری سڑخ روشنیاں ایک

آگے تھی۔ یقیناً اُس نے اُن سے بیچیا چھڑانے کے لیے اُن پر بم پھینکا تھا۔ صفدر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مائیکل جیکسن کا اُس سفید نام سے کیا جھگڑا تھا اور وہ صفدر کو کیوں ساتھ گھسیٹ رہا تھا۔ اُس نے کلب میں عمران کی آواز سُنی تھی جس نے اُسے عقبی گلی میں جانے کا حکم دیا تھا۔ سبجانے وہ کہاں تھا اور صفدر کو اُس نے گلی میں جانے کا کیوں حکم دیا تھا۔

دھننا مائیکل جیکسن نے ایک ہاتھ سے اسٹریٹ پکڑتے ہوئے ریو اور والا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکالا اور اگلی کار پر فائر کر دیا۔ دوسرے ہی لمبے ایک دھماکے سے اگلی کار کا کچھلا دیاں ٹائمر برسٹ ہوا اور وہ لنگڑاقتی ہوئی فٹ پر چڑھتی چلی گئی۔ اسی لمحے صفدر نے اُس میں سے سفید نام کو باہر کودتے دیکھا۔ مائیکل جیکسن نے تیزی سے بریک لگانے اور اسی وقت سفید نام کی کار فٹ ہاتھ کی دوسری جانب ایک عمارت کی دیوار سے جا ٹکرائی۔ ایک دھماکہ ہوا اور دیوار کا کچھ حصہ تباہ ہو گیا۔

مائیکل کے باہر کودتے ہی صفدر نے باہی بندنی سے دروازہ کھولا اور باہر چھلانگ لگا دی۔ اُس نے سنبھل کر پیچھے دیکھا۔ مائیکل سفید نام سے لیٹا اُسے سڑک پر گر گیا رہا تھا۔ صفدر ریو اور نکالتا ہوا اُن کے قریب پہنچ گیا۔ اسی لمحے مائیکل جیکسن نے نیچے پڑے سفید نام کے جڑے پرستار سید کرتے ہوئے کہا۔

”چچا ولد الحرام — میں اس لیے آسکوں نہیں بنا کہ تمہیں نکل جانے دوں۔“

مائیکل کی آواز سُن کر صفدر حیرت کے مارے اُچھل پڑا۔ کیونکہ مائیکل کی آواز بدلی ہوئی تھی اور وہ آواز عمران کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر یہ انکشاف بھی اُسے متحیر کر رہا تھا کہ سفید نام سنگ ہی تھا جسے عمران اکثر اوقات چچا ولد الحرام کہا کرتا تھا۔

”عمران — میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ سنگ ہی نے دانت کچکچا کر کہا۔

اور یکدم عمران کے سر کے بال پکڑ کر ہاتھ کو بائیں جانب جھٹکا۔ مائیکل کے روپ میں موجود عمران کہتا ہوا اُس کے سینے سے اُتر کر پہلو میں گر ا اور سنگ ہی نے اُٹھتے ہوئے عمران کے جڑے پرستار سید کر دیا۔

”خبردار — ایک طرف ہٹ جاؤ،“ صفدر نے سنگ ہی کو للکارا۔

مگر سنگ ہی نے کوئی پرواہ نہ کی اور اُٹھ کر عمران کے پہلو میں ٹھوکر رسید کرنا ہی چاہتا تھا کہ عمران نے اُس کا پاؤں پکڑ کر جھٹکا دیا اور سنگ ہی پشت کے بل نیچے آ رہا۔ عمران اس کے سینے پر سوار ہو گیا اور اُس کے چہرے پر گھونسنے لگتا ہوا غر آنے لگا۔

”خبیث کے بچے — تم سمجھتے تھے کہ میں شریاک کے لیے کچھ نہ کر سکوں گا۔ مگر تم نے یہ نہ سوچا کہ جس بہن کا بھائی اپنے ملک کی گڑبڑوں بہنوں بیٹیوں کی حفاظت کر سکتا ہے وہ اپنی بہن کے لیے خاموش کیوں بیٹھے گا۔“

سنگ ہی کی کمرہاں خارج ہونے لگیں۔ مگر اچانک اُس کا داڑھیل گیا اور

س نے عمران کا ہاتھ پکڑ کر موڑ دیا۔ عمران بائیں جانب لٹسک گیا۔ اور سنگ ہی اٹھ بیٹھا۔ مگر دوسرے ہی لمحے عمران کی لات اُس کے پہلو میں پڑی اور وہ پہلو بیکو کر در دے کراہتا ہوا دوبارہ لیٹتا چلا گیا۔ عمران نے اُس کی پسلیوں میں مُسکا رسید کیا اور سنگ ہی کی چیخ نکل گئی۔ صفر خاموش مٹاشائی بنا انہیں دیکھ رہا تھا۔

اچانک سنگ ہی نے عمران کی جانب کروٹ لی اور اُس کے سینے پر سوار ہو کر اُس کے مُنہ پر گھونسنے رسید کرنے لگا۔ دو تین گھونسنوں کے بعد عمران کو موقع مل گیا۔ اُس نے سنگ ہی کا ہاتھ پکڑا اور ایک جھٹکے سے موڑ دیا۔ سنگ ہی درد سے بلبلانے لگا۔ عمران نے فوراً ہی اُس کے ہنرے پر مُسکا رسید کیا اور سنگ ہی اُس کے سینے سے لٹسک گیا۔ عمران نے جلدی سے اٹھ کر سنگ ہی کے سر کے بال پکڑے اور اُس کا سر بٹک سے ٹکرائے لگا۔ سنگ ہی کی چیخیں نکلنے لگیں۔

پھر اچانک ہی اُس نے ٹانگیں سمیٹ کر عمران کے سینے میں رسید کر دیں۔ عمران اُچھل کر پیچھے کھڑے صفر سے جا ٹکرایا اور وہ ۱۰۰ فٹ ہی گھر پڑے۔ سنگ ہی نے پھرتی سے اُٹھ کر دائیں جانب کی گلی کی طرف پہلانک لگاٹی اور اٹھیری گلی میں گھستا چلا گیا۔ عمران اور صفر تیزی سے اُٹھے اور اُس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ وہ گلی میں داخل ہوئے تو سنگ ہی اُن تین پالیس قدم آگے دوڑ رہا تھا۔ صفر نے اُس پر غائر کیا۔ مگر نشانہ خطا ہو گیا۔ اور سنگ ہی دوڑتا ہوا گلی سے نکل گیا۔

عمران اور صفر رگلی کے احتتام پر پہنچے ہی تھے کہ کوئی چیز اُن کے آگے آ گئی۔ اگلے ہی لمحے ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور وہ دونوں اُچھل کر دائیں بائیں گرتے چلے گئے۔

بڑھنے لگی۔ چوہان اور تنویر نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر چوہان نے جلدی سے گن کا رخ تھریسیا کی طرف کر دیا۔

”تھرو —“ وہ سخت لہجے میں بولا۔

تھریسیا نے پلٹ کر اُن کی طرف دیکھا اور رگ گئی۔ اُس کی آنکھوں سے حیرت و غصہ جھلک رہا تھا۔ البتہ میک اپ میں ہونے کی دہر سے اُس کا چہرہ ہلکا نظر آ رہا تھا۔

”کیا بات ہے گستاخ آدمی۔“ تمہیں مجھے حکم دینے کی جرأت کیسے ہوئی؟“ وہ غزائی۔

”کہو اس بند کو تھریسیا —“ تنویر جواباً غزایا۔

اور تھریسیا چونک بڑی۔ پھر حیرت سے بولی۔ ”گویا تم پاکیشیائی ہو۔“  
”ہاں —“ مگر بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔“ تنویر بولا ”ورنہ مہیوں کو رکھ دوں گا۔“

”تم کون ہو۔؟ سیکرٹ سروس کے ممبر —؟“ تھریسیا نے اُس کی دھمکی کی پرواہ کیے بغیر پوچھا۔  
”یہی سمجھ لو —“ تنویر نے سخت لہجے میں کہا۔ ”اپنا پرس فرش پر ڈال کر ہاتھ بلند کر لو۔“

”اوہ —“ شاید تم تنویر ہو۔“ وہ چونکھی ہوئی بولی۔ ”عمران کہاں ہے —؟“

”بھاڑ میں۔“ تنویر جھلکا کر بولا۔ ”تم پرس پھینکتی ہو یا کروں فائر؟“

**دروازے** میں ایک حسین و جمیل لڑکی کھڑی تھی۔ وہ شکل سے غیر ملکی معلوم ہوتی تھی اور اُس کے ایک ہاتھ میں پرس نظر آ رہا تھا۔ اُن دونوں کو دیکھ کر وہ چونکی۔ پھر مسکرا کر بولی۔

”ہیلو ممبرز —“ میں تھریسیا ہوں۔“  
یہ سن کر وہ دونوں میجر رہ گئے۔ وہ اُن دونوں کا گہری نظروں سے جائزہ لیتی ہوئی ایک لمحہ بعد بولی۔

”تم حیرت زدہ کیوں ہو۔“ سنگ ہی اندر ہی ہے۔“

”نہیں —“ تنویر کے مُنہ سے بے اختیار نکل گیا۔

”آگے سے ہٹو۔“ وہ تنہا لہجے میں بولی۔

وہ دونوں ایک طرف ہٹ گئے۔ تھریسیا اندر داخل ہوئی اور کمرول کی طرف

اور تھریسیانے مسکراتے ہوئے پریس فرش پر ڈال دیا۔ تنویر آگے بڑھا اور جھک کر فرش سے پریس اٹھانے لگا ٹھیک اسی لمحے تھریسیا کی ٹھوکر اُس کی پیشانی پر پڑی اور وہ کراہتا ہوا پشت کے بل پیچھے جا گرا۔ چوہان نے جلدی سے گن سیٹھی کی ہی تھی کہ تھریسیا اڑتی ہوئی اُس پر آگری اور چوہان کے ہاتھ سے گن چھوٹ گئی۔ وہ لٹکھڑا کر پیچھے ہٹا ہی تھا کہ تھریسیانے اچھل کر اُس کے سینے میں لات رسید کر دی۔

چوہان پشت کے بل گرا اور تھریسیانے اپنا پریس اٹھا کر دروازے کی طرف چھلانگ لگادی۔ تنویر نے تیزی سے پلٹ کر اُس پر جھٹ کی اور دونوں دروازے میں آگے۔ تھریسیانے جلدی سے تنویر کی ناک پر ٹکتا رسید کیا اور تنویر بلبلا تا ہوا بائیں جانب لڑھک گیا۔ چوہان نے سنبھل کر اُن کی طرف دوڑ لگائی۔ مگر تھریسیانے فوراً ہی اپنا پریس اٹھایا اور باہر نکل گئی۔ چوہان کے دروازے کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی تھریسیانے باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ اور چوہان بند دروازے سے جا ٹکرایا۔

اُس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر دروازہ نہ کھلا اسی لمحے باہر کا ر اٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی تنویر اچھل کر کھڑا ہوا اور تیزی سے دروازے پر پاؤں جاتا ہوا دیوار پر چڑھنے لگا۔ دیوار پر چڑھ کر اُس نے باہر چھلانگ لگائی اور اسی لمحے تھریسیا کی کار ٹرن لے کر دوڑتی چلی گئی۔ تنویر نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکالا اور کار پر فائر کر دیا۔ مگر گولی کار کی ڈگی سے ٹکرائی تھی۔ اُس نے دوسرا فائر کیا۔ اس بار بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور کار دُور

ہوتی چلی گئی۔ اُس نے پلٹ کر دروازہ کھولا اور چوہان باہر نکل آیا۔ تنویر کار کے پیچھے دوڑتا ہوا بولا۔

”آؤ — اُسے ہر قیمت پر روکنا ہے۔“

چوہان اُس کے پیچھے دوڑنے لگا۔ تھریسیا کی کار چٹانوں کی آٹھ میں نساہوں سے اوچھل ہو چکی تھی۔ وہ دونوں تیزی سے دوڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے مگر کاسکی آواز لمحہ بہ لمحہ معدوم ہوتی جا رہی تھی۔ پھر وہ ایک پہاڑی کی دوسری جانب پہنچے تو تھریسیا کی کار وہاں سے تقریباً ایک فرلانگ دُور سڑک کی اونچائی پر نظر آ رہی تھی۔ چوہان رکتا ہوا بولا۔

”مٹھ جاؤ تنویر۔ وہ اب ہاتھ نہیں آئے گی۔“

تنویر رک کر ہانپنے لگا۔ ٹھیک اسی لمحے دائیں جانب سے ایک تحکمانہ آواز سنائی دی۔ ”ہینڈ زاپ!“

اُن دونوں نے یک وقت پلٹ کر اُدھر دیکھا اور اُن کے ہاتھوں سے اسٹین گن اور ریوالور گرہ تے چلے گئے۔



”تمھاری یہاں کیا حیثیت ہے۔“ نعمانی نے پوچھا۔

”میں اس علاقے کے محافظوں کا انچارج ہوں“ دراز قد بولا۔ ”اسی لیے تمھیں آگاہ کر رہا ہوں کہ تم گنیں پھینک کر نسل جاؤ۔ میں کیمپ انچارج سے تمھارا ذکر نہیں کروں گا۔“

صدیقی اور نعمانی سمجھ گئے کہ وہ انھیں جھانہ دینا چاہتا ہے۔ صدیقی نے مسکرا کر کہا۔

”و مشورے کا شکریہ۔۔۔۔۔ یہ خوبصورت فریب کسی اور کو دینا۔“

ٹھیک اسی لمحے اُس کے پیچھے آہٹ ہوئی، اُس نے مڑنا چاہا مگر دوسرے ہی لمحے اُس کے سر پر کسی بمباری جہیز کی ضرب پڑی اور وہ کہہ رہا تھا ہوا زمین پر گر گیا۔ نعمانی نے گردن گھما کر صدیقی کی طرف دیکھا اور وہاں کھڑے ایک نقاب پوش کو دیکھ کر چونک پڑا مگر اسی لمحے انچارج نے اُس پر جست لگائی اور نعمانی کے ہاتھ سے ٹن چھوٹ گئی۔ نقاب پوش انچارج اُسے بے زمین پر گرا اور صدیقی کو ضرب لگانے والے نے لپک کر اُس کے سر پر سبی ٹامی گن کا کندہ رسید کر دیا۔ نتیجے میں نعمانی زمین سے نہ اٹھ سکا اور بیہوش ہوتا چلا گیا۔

ہوش میں آنے پر صدیقی نے خود کو پتھروں سے بنی ہوئی چھوٹی سی کوٹھڑی میں پایا۔ اُس کے قریب ہی فرش پر نعمانی بیہوش پڑا تھا۔ کوٹھڑی کا آہنی دروازہ نہ نظر آرہا تھا۔ چھت کے قریب ایک دیوار میں چھوٹا سا سوراخ تھا جو تاریک نظر آرہا تھا۔ غالباً وہ سوراخ ہوا کی آمد و رفت کے لیے رکھا گیا تھا۔ ایک دیوار بنے خانے میں بڑی سی موم بتی روشن تھی۔ اُس نے کھڑی پر رقت دیکھا۔

**صدیقی** اور نعمانی چاروں نقاب پوشوں کو ٹامی گنوں سے کور کیے کھڑے تھے جبکہ غاور ایکسٹو کو کال کرنے کے لیے دائیں سمت کی چٹانوں کی طرف گیا ہوا تھا۔ نقاب پوش خاموشی سے ہاتھ بلند کیے اُن کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”تم لوگ بچ نہ سکو گے۔“ دفعتاً لمبے قد والے نقاب پوش نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”شٹ اپ۔۔۔“ صدیقی غزایا۔ ”خاموش کھڑے رہو ورنہ ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیئے جاؤ گے۔“

”میں تو خاموش ہی رہوں گا لیکن میرا مشورہ ہے کہ گنیں ہمارے حوالے کر کے یہاں سے نسل جاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں نہیں روکوں گا۔“

رات کے گیارہ بجے تھے۔ گویا انھیں بے ہوش ہونے پہنچ چکے تھے۔ اُس نے جلدی سے نعمانی کو جھنجھوڑا اور وہ کسماکسم بیٹھا۔ مگر ماحول پر نظر پڑتے ہی حیران رہ گیا۔ اُس نے ذہن پر زور دیا اور اُسے بے ہوش ہونے سے پہلے کے واقعات یاد آ گئے۔

”کیا ہم انہی محافظوں کی قید میں ہیں۔“ اُس نے صدیقی سے پوچھا۔

وہ اٹھ کر دروازے کے پاس آیا گیا۔ اور اُسے کھولنے کی کوشش کی مگر دروازہ باہر سے بند تھا۔ اسی لمحے باہر سے قدموں کی آہٹیں اُٹھنے لگیں جو آہستہ آہستہ قریب آتی چلی گئیں۔ پھر دروازہ کھلا اور دو نقاب پوش اندر آ گئے۔ اُن کے ہاتھوں میں ٹامی گئیں تھیں جو اُصفوں نے صدیقی اور نعمانی پر تان لیں۔

”باہر چلو۔“ ایک آدمی نے سخت لہجے میں کہا۔ ”ہاتھ بلند کرو وہ دونوں ہاتھ بلند کر کے اُن کے ساتھ چل دیے۔ کوٹھڑی کے باہر تنگ سی راہداری تھی جس میں آٹھ سائے چار کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ راہدار کے اختتام پر برآمدہ نظر آ رہا تھا۔ نقاب پوش اُن دونوں کو آگے لگائے اور طرف چل دیے۔ برآمدے میں پہنچ کر اُصفوں نے باہر کا جائزہ لیا۔ یہ کوڑا کافی کشادہ غارتھا جس میں برآمدے کے آگے دبانے تک اتنی جگہ تھی کہ وہاں مزید چار کوٹھڑیاں بنائی جاسکتی تھیں۔ غار کے کشادہ دہانے اندر دو نقاب پوش گن بردار کھڑے تھے۔ صحن میں دائیں جانب دیا

لے پاس ایک جھڑیل چل رہا تھا اور بجلی کی روشنی صحن میں پھیلی ہوئی تھی۔ آمدے کے اندر دائیں بائیں دو بڑے کمرے نظر آ رہے تھے اور اُن میں بھی برقی روشنی نظر آ رہی تھی۔ نقاب پوش اُنھیں گنوں سے کور کیے دائیں انب کے کمرے کے سامنے پہنچے۔ ایک گن بردار نے آگے بڑھ کر دروازہ صولا اور انھیں اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو بے اختیار چونک پڑے۔ اُس کمرے میں ایک خوبصورت لڑکی میز کے عقب میں کرسی پر بیٹھی سگریٹ پی رہی تھی۔ صدیقی اور نعمانی کے ساتھ گن بردار بھی اندر آ گئے۔

”ان کا تیسرا ساتھی گرفتار ہوا ہے یا نہیں۔“ لڑکی نے گن برداروں سے پوچھا۔

”نہیں مادام۔“ ہمارے ساتھیوں نے اُسے کافی دیر تک تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایک آدمی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ ”شاید وہ دھڑلے سے ناگہ اٹھا کر نکل گیا ہے۔“

”کیا تم عمران کے ساتھی ہو۔“ مادام نامی لڑکی نے پوچھا۔

صدیقی اور نعمانی مادام کے لفظ سے سمجھ گئے تھے کہ وہ تھریا ہے۔

”کون عمران۔“ ہم کسی عمران کو نہیں جانتے۔“ صدیقی نے دہینوں کے سے لہجے میں کہا کیونکہ وہ دونوں موجودہ میک اپ میں کسی برقی ملک کے باشندے نظر آ رہے تھے۔

”ان کا میک اپ صاف کر دو۔ پھر یہ جھوٹ نہیں بول سکیں گے۔“ تھریا

نے نقاب پوشوں سے کہا۔

پھر اُس نے صدیقی اور نعمانی کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”تمہارا تیسرا ساتھی کون تھا۔ عمران یا کوئی اور ممبر؟“

صدیقی نے مناسب سمجھا کہ حقیقت اگلے دے۔ دیے بھی تھریا نے اُن کا میک اپ صاف ہونے پر انھیں پہچان ہی لینا تھا۔ چنانچہ اُس نے تھریا سے کہا۔

”پہلے تم اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم کون ہو اور ہمیں کیوں اغوا کیا گیا ہے۔؟“

”اچھی شرط ہے۔“ تھریا مسکرائی۔ ”حالانکہ تم مجھے پہچان چکے ہو کہ میں تھریا ہوں۔“

”ہم سے کیا چاہتی ہو۔؟“ نعمانی نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ وہ لاپرواہی سے بولی۔ ”صرف اتنا بتا دو کہ عمران کہاں ہے۔ اور تم دونوں یہاں کس کے حکم پر کیا کرنے آئے تھے۔؟“

”عمران کا پتہ نہیں۔ ہمیں توجیف نے یہاں بیجا تھا کہ ہم سنگ ہی کو تلاش کریں۔“ صدیقی بولا۔ ”مگر ہم نام کام رہے ہیں۔“

”تمہارا تیسرا ساتھی کون تھا۔؟“ تھریا نے سوال کیا۔

”خاور۔“ کیا وہ بھی تمہاری قیدی ہے۔؟“ صدیقی نے جو کہتے

ہوئے پوچھا۔

”نہیں۔“ وہ کہیں غائب ہو گیا ہے۔“ تھریا نے بتایا۔ ”عمران

تمہارے ساتھ بہاؤ پورا کیا تھا۔؟“

”نہیں۔“ صرف ہم تینوں آئے تھے۔ عمران دار الحکومت میں ہی تھا۔“

”اچھا۔۔۔؟“ وہ طویل سانس لے کر بولی۔ ”اگر تم دونوں زندہ رہنا چاہتے ہو تو یہاں آرام سے رہنا۔ ورنہ سنگ ہی کو تو تم جانتے ہی ہو۔ وہ تمہیں فوراً ہلاک کر دے گا۔“

”تم لوگ ان بہاؤوں میں کیا کر رہے ہو۔؟“ نعمانی نے سوال کیا۔

”برفانی لومڑیوں کا شکار۔“ تھریا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پھر اُس نے نقاب پوش سے کہا۔ ”انھیں واپس وہیں پہنچا دو۔ سنگ ہی کے آنے پر ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیا وہ یہاں میری آمد سے واقف ہے۔؟“

”معلوم نہیں مادام۔؟“ ایک نقاب پوش نے مٹو بانہ لہجے میں کہا۔ ”ویسے ممکن ہے انچارج نے انھیں آپ کی آمد کی اطلاع دے دی ہو۔“

”اچھا۔“ تم انہیں چھوڑ کر آؤ۔ اگر یہ کوئی گڑبڑ کرنے یا فرار ہونے کی کوشش کریں تو ہلاک کر دینا۔“ وہ بولی۔

نقاب پوش صدیقی اور نعمانی کو لیے کمرے سے نکلے اور واپس کوٹھڑی کی طرف چل دیے۔ ٹھیک اسی لمحے غار میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔

توجہ سے سننے لگا۔

”یہ بھی ممکن ہے جب ہمارے ساتھی اُن دونوں کو بے ہوش کر کے کیمپ کی طرف جا رہے تھے تو اُس نے انہیں روکنے کی کوشش کی ہو۔ دوسری آواز سنائی دی۔

”نہیں۔۔۔ اگر ایسا ہوتا تو انچارج اب تک ہمیں واپس بلا چکا ہوتا۔“  
بہلی آواز نے کہا۔

”خیر۔۔۔ اندیشہ رہنے تک تو ہمیں اُس کا یہاں انتظار کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ انچارج خفا ہو گا۔ دوسرے نے کہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ خاور چاہتا تو عقب سے جا کر اُن دونوں کو روک کر سکتا تھا مگر یہ بھی ممکن تھا کہ وہ خود اُن کی گرفت میں آجاتا۔ آہستہ آہستہ سورج غروب ہوتا جا رہا تھا۔ خاور مڑا اور عقب کی جانب پیسٹ کے بل ریگئے لگا۔ قریب ہی ایک چٹان تھی۔ وہ چٹان کی آڑ میں پہنچ کر اُٹھا اور دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ دونوں کی چاپ پیدا کیے بغیر وہ چھوٹا سا چکر کاٹ کر اُن دونوں کے عقب میں پہنچ گیا جو چٹان کے پیچھے بیٹھے تھے وہ دونوں نقاب پوش تھے۔ اُن کے عقب میں ایک اور چٹان تھی۔ خاور اُس چٹان کی آڑ میں ڈک کر اُن کی طرف دیکھنے لگا۔

نصف گھنٹے بعد وہ دونوں اُٹھے اور ایک طرف چل دیے۔ خاور چنٹ لمحوں کے توقف کے بعد اُن کا پیچھا کرنے کے لیے چٹان کی آڑ سے نکلا اور دبے پاؤں اُن کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے جا

**خاور** حیرت زدہ تھا کہ صدیقی نعمانی اور نقاب پوش کہاں چلے گئے۔ وہ آگے بڑھنے کی بجائے وہیں ایک بڑے سے پتھر کی آڑ میں بیٹھ کر سوچنے لگا۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ اگر نقاب پوش صدیقی اور نعمانی پر قابو پا کر انہیں کہیں لے گئے تھے تو اُن میں سے ایک دو اُس کے انتظار میں وہاں ضرور چھپے ہوئے ہوں گے۔ وہ غور سے ارگرد کی چٹانوں کا جائزہ لینے لگا۔ تقریباً پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ اچانک اُسے ہلکی سی آواز سنائی دی۔

”وہ یقیناً فرار ہو گیا ہو گا۔ ورنہ اب تک ضرور سامنے آجاتا۔ شاید اُس نے اپنے ساتھیوں کو گرفتار ہوتے دیکھ لیا تھا۔“  
وہ آواز خاور سے بیس پیس فٹ دور ایک چٹان سے اُبھری تھی۔ خاور

رہے تھے۔ خاور سے اُن کا فاصلہ بیس پچیس قدم تھا وہ بہتھروں اور چٹاؤں کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

”انچارج کو اطلاع دے دی جائے یا ڈیوٹی آف ہونے پر کیمپ میں جا کر بتایا جائے۔“ ایک آدمی کی آواز سنائی دی۔

”ڈیوٹی تو دس بجے آف ہوگی۔ تم ٹرانسمیٹر پر اُسے رپورٹ دے دو۔“

”ہاں — یہ بہتر رہے گا۔“ پہلا بولا۔

اور دونوں رُک گئے۔ خاور جلدی سے ایک چٹان کی اڑ میں رُک گیا۔

چند لمحوں بعد اُن کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

”ہیلو باس — ٹونی کالنگ۔ اور۔“

”یس ٹونی — کیا پوزیشن ہے۔ اور۔“ ایک لمحہ بعد

دوسری آواز سنائی دی۔

”باس — وہ واپس نہیں آیا۔ ٹونی نے کہا۔“ نہ ہی وہ

اس طرف کہیں نظر آیا جدھر اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر گیا تھا۔“

”ٹھیک ہے۔ تم ہو شکاری سے ڈیوٹی دو۔ ہو سکتا ہے وہ یہیں

کہیں چھپا ہوا ہو۔“

”بہت بہتر سر — آپ کیمپ کے ارد گرد اُسے تلاش کروائیں۔

ممکن ہے وہ اُدھر جا نکلا ہو۔“ ٹونی بولا۔

”اور اینڈ آل۔“ آواز آئی۔

ایک لمحہ بعد خاور نے چٹان کی آڑ سے سامنے دیکھا۔ وہ دونوں دوبارہ

آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ بھی اُن کے پیچھے احتیاط سے چلنے لگا۔ چند منٹ بعد وہ

دونوں ایک جگہ رُک گئے۔ خاور نے اُنھیں ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھنے دیکھا

تو خود قریبی چٹان کی اڑ میں ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ عمران کو کال کر کے رپورٹ

دے یا فی الحال انتظار کرے آخر اُس نے عمران کو کال کرنے کا فیصلہ کیا اور پیچھے

ہٹنے لگا۔ وہاں سے تقریباً پچاس قدم دُور اُس نے وایج ٹرانسمیٹر پر عمران

کو کال کیا۔ اور جلد ہی رابطہ قائم ہو گیا۔

”یس خاور — عمران اینڈنگ اور۔“

خاور نے رپورٹ دی۔ تفصیل سننے کے بعد عمران نے کہا۔

”تم اُن کی نگرانی کرتے رہو۔ اُن کا ٹھکانا دیکھنے کے بعد مجھے کال کرنا۔“

”بہت بہتر — آپ کیا کر رہے ہیں۔“ خاور نے پوچھا۔

”مچھلیاں پکڑ رہا ہوں۔“ عمران کی احمقانہ آواز آئی۔

”مچھلیاں —“ خاور نے حیرت سے کہا۔ ”اس پہاڑی

علاقے میں مچھلیاں کہاں سے آئیں۔“

”جہاں سے پہاڑیاں آتی تھیں۔“ عمران نے کہا۔ ”وہ تمہیں

مچھلیاں کھانے سے غرض ہے یا بیٹر گئے سے۔“

”بیٹر کا لفظ آم کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔“ خاور نے ہنس

کر کہا۔

”وہ ہوتا ہو گا۔“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔ ”میں تو بینگن بھی

خر بوزوں کے ساتھ استعمال کرتا ہوں۔ پھر —“

نہ تھے یا پھر اُن سے دلچ ٹرانسمیٹر زچین لیے گئے تھے۔ اُس نے مایوس ہو کر ٹرانسمیٹر آف کیا اور ستاروں کی روشنی میں ارد گرد کی بھگائی کرنے لگا۔ وقت صحت رومی سے گزر رہا تھا۔ اُسے چائے اور سگریٹ کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔ چائے تو دستیاب نہ تھی اور سگریٹ پینا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ سگریٹ سلگانے سے لائٹر کا شعلہ روشن ہو کر اُس کی وہاں موجودگی کی نشاندہی کر سکتا تھا اور یہ تو وہ ٹوٹی اور اُس کے ساتھی کی گفتگو سے سن ہی چکا تھا کہ وہ لوگ اُسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

نوج گئے مگر ٹوٹی اور اُس کا ساتھی واپس نہ آئے۔ نہ ہی کسی طرف سے اُن کے قدموں کی آہٹیں اُبھریں۔ پھر ایک گھنٹہ اور گزر گیا اور خاور پریشان ہو گیا۔ وہ اُن دونوں کے ذریعے اُن کے ٹھکانے تک پہنچنا چاہتا تھا جبکہ وہ بج چکے تھے اور اُن کی ڈیوٹی کا وقت ختم ہو چکا تھا کہ مگر وہ واپس نہیں لوٹے تھے۔ شاید وہ کسی دوسری طرف سے اپنے کیمپ چلے گئے تھے۔

ان حالات میں ضروری تھا کہ عمران سے نئی ہدایات طلب کی جائیں۔ چنانچہ اُس نے عمران سے دلچ ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ ایک منٹ تک کوشش کرنے کے بعد اُس نے ایکسٹوکی فریکوئنسی سیٹ کی ادرا اُسے کال کرنے کی کوشش کی مگر ادھر سے بھی کوئی جواب نہ ملا۔ تب اُس نے خود ہی فیصلہ کیا کہ گھوم پھر کر کیمپ تلاش کرے۔ وہ بھٹان کی آرٹ سے نکلا اور مغربی سمت چل پڑا۔

ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ کسی گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی اور وہ رُک

خاور ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ ”بے شک۔ آپ سے اس کی بھی توقع کی جا سکتی ہے۔“

”کی جا سکتی ہے نا، عمران چہکا۔“ لہذا اُخذ حافظ۔“

خاور نے مسکراتے ہوئے ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ پھر وہ واپس اُس جانب چل دیا جہر ٹوٹی اور اُس کا ساتھی پہرہ دے رہے تھے اپنی سابقہ جگہ پہنچ کر اُس نے بھٹان کی آرٹ سے اُن دونوں کی طرف دیکھا تو بے اختیار چونک پڑا۔ وہ دونوں غائب تھے اور چند منٹ پہلے وہ جس پتھر پر بیٹھے تھے وہ خالی نظر آ رہا تھا۔ خاور نے چند لمحوں کے لیے سوچا اور اُن کا وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیمپ کی طرف اُغموں نے دس بجے جانا تھا۔ اور اس سے پہلے اسی علاقے میں پہرہ دینا تھا۔ یقیناً وہ گشت کرتے ہوئے کسی طرف چلے گئے تھے اور اُن کی واپسی کا توئی امکان تھا۔

دفعاً اُسے نعمانی اور خاور کو دلچ ٹرانسمیٹر پر کال کرنے کا خیال آیا۔ اُس نے ادھر ادھر دیکھا۔ قرب و جوار میں کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ تھا اور ہر طرف گہرا سناٹا طاری تھا۔ اُس نے دلچ ٹرانسمیٹر پر صدیقی کی فریکوئنسی سیٹ کی اور اُسے کال کرنے لگا۔

”ہیلو صدیقی۔ خاور کالنگ اور۔“

تقریباً پندرہ سیکنڈ تک وہ بولتا رہا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ تب اُس نے فریکوئنسی تبدیل کی اور نعمانی کو کال کرنے کی کوشش کی لیکن اُس سے بھی رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ دوہی صورتیں ممکن تھیں۔ یا تو وہ کال وصول کرنے کی پوزیشن میں

گیا۔ اُس نے غور سے سنا۔ وہ آواز جنوب کی طرف سے آکر سی تھی اور لمحہ بہ لمحہ بلند ہوتی جا رہی تھی۔ اُس نے ایک لمحہ کے لیے سر جھکا اور اُس سمت چل پڑا۔ دو منٹ بعد کسی موٹر کار کی قریب آتی ہوئی وہ آواز دوبارہ دُور ہونے لگی۔ اُس نے رُک کر سمت کا اندازہ لگایا۔ وہ آواز اب مغرب کی طرف سے آ رہی تھی۔ وہ رُخ بدل کر اُس سمت بڑھنے لگا۔ اُس کے ارد گرد چھوٹی بڑی چٹانوں کے سائے پھیلے ہوئے تھے۔ چاند ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ بیسویں شب کا چاند ویسے بھی نصف رات کے بعد اُبھرتا ہے۔ وہ ستاروں کی مدھم روشنی میں چند گز سے زیادہ دُور تک نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پنل ٹاپرچ اُس کی جیب میں تھی مگر اُسے روشن کرنا حماقت تھی۔ موٹر کار کی آواز چند منٹ بعد ہی معدوم ہو گئی اور اب وہ محض اندازے کی بنا پر آگے بڑھ رہا تھا۔

دفعۃً بائیں جانب سے، قدموں کی آہٹیں اُبھریں اور وہ تیزی سے دائیں جانب کی ایک چٹان کی آڑ میں چلا گیا۔ چند لمحوں بعد بائیں جانب سے دوازدہ نمودار ہوئے۔ وہ ٹامی گنوں سے، لیس تھے۔ اُن کے چہروں پر نقاب تھے۔ وہ خاور والی چٹان سے سات آٹھ فٹ کے فاصلے سے کھڑے اور مغربی سمت بڑھتے چلے گئے۔ اُن کی بال میں تیزی تھی جس سے مدھم ہوتا تھا کہ اُنہیں کہیں پہنچنے کی جلدی ہے۔ خاور نے ایک لمحہ میں فیہ کر لیا کہ اُن پر قابو پانا چاہیے چنانچہ وہ چٹان کی آڑ سے نکلا اور دبے پاؤں اُس کی طرف بڑھنے لگا جو اس دوران دس بارہ گز آگے جا چکے تھے۔ چند لمحوں میں خاور اُن سے تین چار گز کے فاصلے پر آ گیا۔ پھر اُس نے تیزی سے ایک پتھر کی آڑ چلتے ہوئے ایک آدمی

کے سر کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ بے آواز ریاورد کی گولی اُس آدمی کے سر میں پھنس گئی اور وہ جینے بغیر زمین پر آگرا۔

دوسرا بوکھلا کر پلٹا اور ٹامی گن سیدھی کر کے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ خاور نے ایک لمحہ توقف کیا اور چونہی اُس آدمی نے دائیں جانب دیکھا۔ خاور نے اُس پر فائر کر دیا۔ گولی اُس کے سینے میں دل کے مقام پر لگی اور وہ کراہتا ہوا گر گیا۔ خاور پتھر کی آڑ سے نکل کر اُن کے قریب پہنچا تو دونوں دم توڑ چکے تھے۔ خاور نے جلدی سے اُس نقاب پوش کا لباس اتاراجس کے سر میں گولی لگی تھی۔ گرتے وقت اُس کا سر ڈھلوان جگہ پر پڑا تھا اس لیے سر سے بہنے والا خون لباس کو داغدار نہ کر سکا تھا۔

خاور نے اپنے لباس پر ہی مقتول کا لباس پہن لیا اور دوسرے آدمی کا نقاب اتار کر چہرے پر لگانے کے بعد اُن دونوں کی لاشیں گھسیٹ کر قریب ہی ایک گہری کھائی کی نذر کر دیں۔ پھر ایک ٹامی گن کندھے سے لٹکا کر وہ اُسی سمت بڑھنے لگا۔ تقریباً چھ منٹ بعد وہ ایک بلند پہاڑی کے قریب جا نکلا۔ ایک چٹان کی آڑ میں رُک کر اُس نے دوسری سمت کا جائزہ لیا۔ اور خوشی سے پھل پڑا۔ اُس کی منزل اُس کی تلاش اُس کے سامنے تھی۔



جواب میں نقاب پوش نے یکدم حرکت کی اور ٹامی گن کا بٹ تنویر کے جھڑے پر رسید کر دیا۔ تنویر کو اہتا ہوا لڑکھڑایا اور پھر سنبھل کر خوشخوار نگاہوں سے اُس نقاب پوش کو گھورنے لگا۔

”دوبارہ سوال کرنے کی جرأت کی تو چھلنی کر دوں گا“۔ نقاب پوش غرّابا۔

”میں تمہارا غن پی جاؤں گا سو رکے نیچے“۔ تنویر کٹکھٹے لہجے میں کہا۔

”او پوشٹ اب بلیڈی فول“۔ نقاب پوش دھاڑا۔

اور اُس نے دوبارہ گن کا دستہ تنویر کے منہ پر رسید کر دیا۔ مگر اس بار تنویر ہوشیار تھا۔ اُس نے تیزی سے سر جھکایا اور نقاب پوش کا وار خالی گیا۔ اُس کے ساتھ ہی تنویر نے اُس کی ٹامی گن دونوں ہاتھوں میں پکڑتے ہوئے اُس کے سینے میں ٹھکرا دیا۔ نقاب پوش کو اہتا ہوا اُچھل کر پشت کے بل گرا۔ ٹھیک اسی لمحے جو بان نے حرکت کی اور اپنے سامنے کھڑے ہوئے ایک نقاب پوش کی گن پر ٹھوکر رسید کرتے ہوئے دوسرے پر چھلانگ لگا دی۔

وہ دونوں زمین پر آ گئے۔ پہلے کے ہاتھ سے گن جھپوٹ گئی تھی۔

جو بان نے تیزی سے نیچے گرے ہوئے نقاب پوش کی ناک پر ٹھکرا دیا اور اٹھنے ہی لگا تھا کہ دوسرے نقاب پوش نے اُس پر جست لگا دی جو بان لڑکھڑایا

کہ چیخے گا اور حملہ اُد اُس کے اوپر۔ مگر جو بان نے کروٹ لی اور اُس کے نیچے

سے نکل کر اُس کی گردن پر کھڑی ہتھیلی کا وار کر دیا۔ وہ آدمی دوبارہ نہ اٹھ سکا۔

کراٹے کی ضرب نے اُس کی گردن کی ہڈی توڑ ڈالی تھی۔ اتنے میں زخمی ناک والے

اٹھ چکا تھا۔

**ہاتھ** بلند کرتے ہی عقب سے ایک طاقتور مارچ کی روشنی اُن پر پڑنے لگی۔ جو بان اور تنویر کناکھیلوں سے عقب میں دیکھ رہے تھے۔ تین مسلح افراد اُن کی طرف بڑھ رہے تھے جبکہ چوتھا مارچ پکڑے اُس چٹان کے پاس کھڑا تھا جہاں غالباً وہ چھپے رہے تھے۔ اُن کے چہروں پر سیاہ نقاب تھے اور اُسفول نے ایک جیسے مٹیالے رنگ کے لباس پہنے ہوئے تھے۔ تینوں نقاب پوش اُن کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

”کون ہو تم اور اس طرف کیا کر رہے ہو۔“ ایک نقاب پوش نے تسکمانہ لہجے میں پوچھا۔

”تم کون ہو۔“ تنویر نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔ اُسے تھریا کے نکل جانے کا غصہ تھا۔



طارح والا اپنی جگہ پر کھڑا اُن پر روشنی مچھینتا رہا مگر قریب نہ آیا۔ شاید اُسے امید تھی کہ اُس کے ساتھی چوہان اور تنویر پر قابو پالیں گے۔ تنویر کا بد مقابل زمین سے اُٹھا اور اُس نے تنویر کے مُنہ پر گھونسا رسید کر دیا۔ تنویر لڑکھڑایا ہی تھا کہ اُس آڈی نے قدم بڑھا کر اُس کی پسلیوں میں مُتکا رسید کر دیا۔ تنویر کے حلق سے چیخ نکل گئی اور وہ پہلو پر ہاتھ رکھے بائیں جانب جھکا ہی تھا کہ بد مقابل نے اُس کے پیٹ میں گھونسا رسید کر دیا۔ تنویر کراہتا ہوا فرش پر گر ا۔ مگر اُس نے فوراً ہی نقاب پوش کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لیں۔ وہ پشت کے بل زمین پر گر ا اور تنویر نے تیزی سے سنبھل کر اُس پر چھلانگ لگا دی۔ زمین پر پڑا شخص جلدی سے کروٹ بدل گیا اور تنویر مُنہ کے بل اُس کی چھوٹی ہونٹوں پر آگرا۔ لیکن اُس نے بھی جلدی سے کروٹ لی اور نقاب پوش کے پہلو میں مُتکا رسید کر دیا جو اُٹھ رہا تھا۔

نقاب پوش کراہتا ہوا گر پڑا اور تنویر نے تیزی سے قریب برسی

ٹامی گن اُٹھالی۔ لیکن ٹھیک اسی لمحے طارق والے نے اپنی گن سے اُس پر فائر کر دیا۔ تنویر نے پھرتی سے کروٹ لی اور گولیاں زمین پر پڑے نقاب پوش کے جسم میں اتر گئیں۔ اُس کی کہیہہ چیخ اور فائرنگ کے شور سے پہاڑیاں گونج اٹھی تھیں۔

تنویر نے فوراً طارق والے پر فائر کیا اور وہ چیختا پھرتا زمین پر آگرا۔

طارح اُس کے ہاتھ سے گر گئی مگر اب بھی روشن تھی۔ چوہان رنجی ناک والے نے جسٹ نکالی مگر چوہان نے اُسے ہاتھوں پر روک کر جوا اُس کی ناک پر مکر رسید

کردی اور وہ نقاب پوش چیختا ہوا زمین پر آگرا۔ چوہان نے پک کر ایک گن اُٹھالی اور اُس پر تان لی۔

تنویر نے آگے بڑھ کر زندہ بچ جانے والے اُس واحد شخص کے پہلو میں ٹھوکر رسید کی اور وہ درو سے بلبلائے لگا۔

”بولو — تمہارا ٹھکانا کہاں پر ہے؟“ تنویر نے غرا کر پوچھا۔

”اُس طرف —“ نقاب پوش نے کہتے ہوئے اُس طرف اشارہ کیا جس طرف وہ مکان تھا جہاں سے تنویر اور چوہان آئے تھے۔

”یہاں کیا کر رہے تھے اور ہمیں کیوں روکا تھا؟“ تنویر نے دوسرا سوال کیا۔

”تم مادام کی کار کے پیچھے جا رہے تھے اور وہ ہمیں تمہاری گرفتاری کا حکم دے کر گئی تھی۔“

”کس طرف گئی ہے؟“ چوہان نے جلدی سے پوچھا اور گن کی نال اُس کے سر سے لگا دی۔

”پپ — پتہ نہیں —“ وہ خوف سے ہسکرایا۔ ”شاید شہر واپس چلی گئی ہو۔“

”کہو اس کرتے ہو۔“ تنویر غرایا اور اُس نے نقاب پوش کے پہلو میں ایک اور ٹھوکر رسید کر دی۔

نقاب پوش کے مُنہ سے لمبی سی چیخ نکل گئی۔ اور وہ کراہتا ہوا بولا۔

”یقین کرو۔ میں درست کہہ رہا ہوں۔ میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔“

”اس عمارت کے علاوہ بھی متعدد ایساں کوئی ٹھکانا ہے۔“ چوہان نے سوال کیا۔

”نہیں۔ اگر ہے بھی تو میں نہیں جانتا۔“ نقاب پوش بولا۔  
چوہان نے تنویر کو اشارہ کیا اور اُس نے نقاب پوش کے سر پر گن سے ضرب لگا دی۔ وہ بیہوش ہو گیا تو چوہان بولا۔

”اب ہمیں جلدی سے یہ جگہ چھوڑ دینی چاہیے۔ ممکن ہے ان کے اور ساتھی بھی اس علاقے میں ہوں اور فائرنگ کا شور مچ کر ادھر آہے ہوں۔“  
”ٹھیک ہے آؤ۔“ تنویر نے سر ہلا کر کہا۔

پھر اُس نے زمین پر گری ہوئی ٹاپرچ اٹھا کر جب میں رکھی اور چوہان کے ساتھ اُس راستے سے ہٹ کر ایک چٹان کی آڑ میں پہنچ گیا۔ چوہان نے واضح ٹرانسمیٹر پر عمران سے رابطہ قائم کر کے رپورٹ دی۔

”تم دونوں وہاں سے مغربی سمت چل دو۔ چار پانچ میل چلنے کے بعد ٹرک کر میری کال کا انتظار کرنا یا اُس طرف کوئی ایسا راستہ تلاش کرنا جو گاڑیوں کے آمد و رفت کے لیے موزوں ہو۔ راستہ تلاش کر کے مجھے مطلع کرنا۔“ عمران نے ہدایات دیں۔

”چار پانچ میل تو بہت زیادہ فاصلہ ہے۔“ تنویر نے منہ بنا کر کہا۔  
”ممکن ہے میرا اندازہ غلط ہو اور ایک فرلانگ بعد ہی تم اُس راستے پر جا سکو۔“ عمران کی آواز آئی۔

اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔ چوہان نے واضح ٹرانسمیٹر آف کیا اور تنویر سے

کچھ کہنے ہی والا تھا کہ قدموں کی آہٹیں سنائی دینے لگیں۔ اُس نے چٹان کی آڑ سے دوسری جانب دیکھا تو چار نقاب پوش بائیں جانب سے راستے میں پڑی لاشوں کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ وہ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگے۔ وہ چاروں لاشوں کے پاس پہنچ کر اُن کا ٹاپرچوں کی روٹنی میں جائزہ لینے لگے۔

”اوہ۔۔۔۔۔ تو صرف بیہوش ہے۔“ ایک آواز سنائی دی۔  
”براؤن۔۔۔۔۔ اے اٹھا کر لے چلو۔ ہم ان کے قاتلوں کو تلاش کرتے ہیں۔“  
ایک نقاب پوش بولا۔

پھر وہ دو ساتھیوں کے ہمراہ ارگرد کی چٹانوں کی طرف بڑھنے لگا۔ چوتھا نقاب پوش بے ہوش آدمی کو اٹھا کر مغربی سمت چلا گیا اور جلدی نکا ہوں سے اوجھل ہو گیا۔ تینوں نقاب پوش بکھر کر تنویر اور چوہان کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ چند لمحوں بعد ایک نقاب پوش اُس چٹان کی طرف آنے لگا۔ جس کی آڑ میں وہ دونوں چھپے ہوئے تھے۔ تنویر اور چوہان نے ادھر ادھر دیکھا۔ عقب میں ایک اور چٹان تھی جو زیادہ دُور نہیں تھی۔ وہ دبے پاؤں پیچھے ہٹ کر اُس چٹان کی آڑ میں پہنچ گئے۔

نقاب پوش اُن کی پھوٹنی ہوئی چٹان تک آیا اور ادھر ادھر دیکھا ہوا دائیں جانب بڑھ گیا۔ جلد ہی اُس کے قدموں کی آہٹیں معدوم ہو گئیں۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک اُن نقاب پوشوں کی ٹاپرچوں کی روشنیاں اُن کے ارگرد کی چٹانوں میں چمکتی رہیں پھر وہ تینوں دوبارہ لاشوں کے پاس اکٹھے ہوئے اور اُس مکان کی طرف چل دیے جہاں تنویر اور چوہان مقید رہے تھے۔

”آؤ۔۔۔۔۔!“ چوہان چٹان کی آڑ سے لکھتا ہوا تنویر سے

بولتا۔

اور تنویر اُس کے ساتھ اُس سمت چل دیا جس طرف براؤن نامی نقاب پوش  
اپنے بے ہوش ساتھی کو اٹھا کر جاتا نظر آیا تھا۔

**عمران** اگر بروقت صفدر کو دائیں جانب دھکا دے کر خود بائیں جانب  
چھلانگ نہ لگاتا تو اُن کے جسموں کے پرچھے اُڑ گئے ہوتے۔ بہر حال اُس کی اس  
حرکت نے انہیں بچا لیا اور وہ جلدی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دھکا کہ شدید تھا  
اور ارد گرد کی عمارتیں لہر لہر کر رہ گئی تھیں۔ گلی کے مکانات کی کھڑکیاں اور دروازے  
کھلنے لگے تھے۔ عمران نے صفدر کو اشارہ کیا اور دونوں دوڑ کر گلی سے نکل آئے۔  
سڑک پر سنگ ہی کا نام و نشان نہ تھا۔ چنانچہ وہ سڑک پار کر ایک دوسری  
گلی میں گھس گئے اور آرام سے چلنے لگے۔

عمران کو سنگ ہی کے ہاتھ سے نکل جانے کا افسوس تھا جسے بھانسنے کے لیے  
اُس نے ڈسکو ڈانس کا بہرہ اختیار کیا تھا۔ اُس کے اس روپ کا کسی کو علم نہیں  
تھا۔ پھول خان نے اپنی سیکرٹری کو اُسی وقت گولی مار کر ختم کر دیا تھا جب

عمران نے اُس کے سامنے اُس کا میک اپ صاف کیا تھا۔ پھول خان نے عمران سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آسمتھ سے سودا منسوخ کر دے گا۔ عمران کو علم تھا کہ رات گیارہ بجے اُن دونوں کی کلب میں ملاقات ہوگی اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ سنگ ہی یعنی آسمتھ کے وہاں کئی ساتھی موجود ہوں گے جن کی موجودگی میں وہ یہی طرح سنگ ہی پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔ اس لیے اُس نے فون کر کے ہالی وڈ کلب کے مینجر کو سچیٹت مائیکل جیکسن اپنی آمد اور پروگرام پیش کرنے کے اطلاع دی تھی جس پر مینجر نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ تب عمران شام کے وقت مائیکل جیکسن کے روپ میں مینجر سے جا کر ملا تھا اور اُس نے عمران کو رہائش کے لیے کلب کا ایک بہترین کمرہ دے دیا تھا۔

لیکن اس ساری جدوجہد کا نتیجہ توقع کے خلاف نکلا تھا۔ اب اُسے ہلکی سی امید تھی کہ شاید سنگ ہی شہر سے باہر واقع اپنے ٹھکانے پر چلے اور پہاڑوں میں موجود اُس کے ماتحت اُس کا ٹھکانا تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اُسے امید تھی کہ دھماکے کی آواز پر ریاستی پولیس حرکت میں آجی ہوگی۔ اس لیے وہ صفر کے ساتھ گلیوں ہی گلیوں میں سفر کرتا ہوا پندرہ منٹ بعد اپنے ہوٹل جا پہنچا۔ اندر داخل ہونے کے لیے اُنھوں نے عقبی دروازہ استعمال کیا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے جوزف کو چائے کا آرڈر دینے کی ہدایت کی اور باقاعدہ روم میں جا کر اپنا مائیکل جیکسن والا میک اپ ختم کر کے نیا میک اپ کرنے لگا۔ چائے آنے تک وہ میک اپ سے فارغ ہو گیا۔  
”اب سنگ ہی کو کہاں تلاش کریں گے۔“ صفر نے چائے پینے

کے دوران پوچھا۔  
”فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ عمران بولا۔ ”مجھے جولیا کی رپورٹ کا انتظار ہے۔“

”جولیا۔۔۔؟“ صفر چونکا۔ ”وہ کیا کر رہی ہیں۔۔۔؟“  
”وہ پھول خان کی رہائش گاہ پر ہے۔ ممکن ہے سنگ ہی اُدھر کارخ کرے۔“

”مگر سنگ ہی کا پھول خان سے کیا واسطہ۔۔۔؟“ صفر نے حیرت سے پوچھا۔

”پچاس لاکھ روپے کمانے کا چکر ہے بخوردار۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔  
اور اُسے اُن دونوں کے سودے بازی کی تفصیل بتانے لگا۔ صفر اُس کی بات سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔

”گویا سنگ ہی اور تھریسا کے ایک کے بجائے دو مشن ہیں۔“ وہ بولا۔

”ہاں۔۔۔ لیکن میں اُنھیں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔“ عمران نے بہتر سے بیچ کر کہا۔

ٹھیک اسی لمحے اُس کی واچ ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ اُس نے جلدی سے واچ کا ڈیڑھن باہر کھینچ دیا۔

”ہیلو عمران۔ جولیا کالنگ ادور۔“ ٹرانسمیٹر سے جولیا کی آواز ابھرنے لگی۔

”یس جان عمران —“ عمران احمقانہ لہجے میں بولا۔ ”میں سن رہا ہوں۔“

”چند منٹ پہلے اسمتھ نامی ایک سفید فام یہاں آیا تھا۔“ جولیانے کہا۔ ”اُس نے بھول خان سے ملاقات کے دوران اُسے سائیکلسرنگے ریوالور سے گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے۔“

”اوہ —“ عمران چونکا۔ ”پھر —“

”اُس کے جانے کے بعد گارڈوں کو بھول خان کے قتل کا پتہ چلا۔ وہ اسمتھ کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں۔“

”تم نے اُن دونوں کی گفتگو سنی تھی۔؟“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں۔ میں ڈرائیونگ روم کی طرف جاتے کے لیے اپنے کمرے سے نکلنے ہی والی تھی کہیں نے سفید فام کو محتاط انداز میں ڈرائیونگ روم سے نکل کر برآمدے کی طرف جاتے دیکھا۔ اُس کے جانے کے بعد میں نے ڈرائیونگ روم میں جھانکا تو فرش پر بھول خان کی لاش پڑی تھی۔ میں خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ پھر تین چار منٹ بعد شور مچا کہ باہر آئی تو تمام ملازم ڈرائیونگ روم میں جمع تھے اور گارڈ اسمتھ کی تلاش میں جا چکے تھے۔“ جولیانے بتایا۔

”تم پر تو کسی نے شک نہیں کیا —؟“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں۔ سب یہی کہہ رہے ہیں کہ اسمتھ نے اُسے قتل کیا ہے۔“ جولیانے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تم وہیں رہو۔ اگر بھول خان کے متعلقین تم سے پوچھ گچھ کریں تو رانا بہار علی صندوقی کا حوالہ دینا۔ باقی معاملات سے لاعلمی کا اظہار کرنا۔“

”مگر مجھے یہاں کب تک رہنا ہوگا۔؟“ جولیانے پوچھا۔

”جب تک میری تمہاری شادی نہیں ہو جاتی“ عمران دوبارہ احمقانہ

موڈ میں آتا ہوا بولا۔

”بکواس بند کرو۔“ جولیانے غرائی۔ ”میں اب یہاں بوریت

محسوس کر رہی ہوں۔“

”صبح تک اور کرو۔“ مجبوری ہے۔“ عمران بولا۔ ”اوہ

اینڈ آل۔“

اُس نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ صفدر نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”اُس

نے بھول خان کو کیوں قتل کر ڈالا۔؟“

”غالباً بھول خان نے کلب میں اُس سے سودا منسوخ کرنے کی

بات کی ہوگی۔“ عمران نے ٹھنک کر کہا۔ ”پھر سنگ ہی کو اپنی اُس ساتھی

کے مرنے کا بھی رنج ہوگا جو بھول خان کی بیکٹری بنی ہوئی تھی۔“

”مگر بھول خان کے مرنے کے بعد وہ اپنے مشن پر کیسے کام کر سکے

ہگا۔؟“ صفدر نے پوچھا۔

”چوری چھپے۔“ ریاست کے کسی بھی شخص کو اُس کے مشن کا

علم نہیں۔ نہ ہی کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ بھول خان سے کس سلسلے میں ملتا

ہوز اپنے بستر پر بیٹھا خاموشی سے شراب کے گھونٹ لے رہا تھا۔ تقریباً بیس منٹ بعد عمران کی وایج پر اشارہ موصول ہوا۔ اس وقت پونے بارہ بج رہے تھے۔ عمران نے ٹرانسمیٹر آن کر دیا۔

”ہیلو عمران صاحب — خاور کالنگ اور۔“

”یس خاور — عمران اینڈنگ — کیا رپورٹ ہے۔؟“ عمران

نے بے تابی سے پوچھا۔

جواب میں خاور نے جو کچھ بتایا اُسے سن کر عمران کے ہونٹوں پر دردنگی آمیز مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔

رہتا تھا۔ ظاہر ہے ان حالات میں کسی کو بھی خیال نہیں آئے گا کہ کوئی مغربی پہاڑیوں میں مصروف ہے۔ اس لیے اُس طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔“

صفدر اُس کا جواب سن کر پُر خیال انداز میں سر ہلانے لگا۔ عمران نے چند لمحوں بعد وایج ٹرانسمیٹر پر چوہان کی فریکوئنسی سیڈ کی اور اُسے کال کرنے لگا۔

لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اُس نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا اور سوچنے لگا۔ اسی لمحے وایج ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور اُس نے چونکے ہوئے ٹرانسمیٹر

آن کر دیا۔ دوسری طرف سے صدیقی کی آواز سنائی دی۔ خاور نے شام کے بعد صدیقی اور نعمانی کی گفتگو کی اطلاع دی تھی اور عمران اُن کے لیے فکر مند تھا۔

”یس صدیقی — عمران اینڈنگ اور۔“

دوسری طرف سے صدیقی نے اپنے اور نعمانی کے اغوا کی اطلاع دی۔

عمران نے جواب میں اُسے ہدایات دیں اور ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ صفدر نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”معلوم ہوتا ہے سنگ ہی نے پہاڑیوں میں ایک سے زائد ٹھکانے بناد رکھے ہیں۔ اور پورے علاقے میں اپنے آدمی پھیلانے ہوئے ہیں۔“

”ہاں — اب خدا جانے وہ ادھر جاتا بھی ہے یا نہیں۔“ عمران

بڑبڑایا۔

”ممکن ہے شہر میں ہی وہ اپنے کسی ٹھکانے پر ہو۔“ صفدر نے

خیال ظاہر کیا۔

”شاید —“ عمران نے طویل سانس لیا۔ ”وہ بہت عیبار ہے۔“

”یس مارش — کیا رپورٹ ہے۔ اور۔“ سنگ ہی نے جواباً کہا۔

”پھول خان کے کارڈ آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔ ریاست کی پولیس بھی سرکوں پر نکل آئی ہے۔“ مارش کی آواز آئی۔

”اور کچھ —“ سنگ ہی نے پوچھا۔

”مس ٹیلی ابھی تک وہیں ہے۔“ مارش نے بتایا۔

”تم اُس پر نظر رکھنا۔ اور جب بھی وہ عمارت سے باہر نکلے اُسے اغوا کر کے کیمپ میں لے آنا۔“ سنگ ہی نے کہا۔

”بہت بہتر باس — کوشش کروں گا۔“ مارش نے مٹو باز لہجہ میں کہا۔

”صرف کوشش — کیوں —“ سنگ ہی غایا۔

”در اصل اس وقت پھول خان کی رہائش گاہ کے گرد پولیس پھیلی ہوئی ہے۔ میرا قیام جانا خطرناک ہو گا۔“

”ہوں — ٹھیک ہے۔“ سنگ ہی سوچتا ہوا بولا۔ ”تم صبح تک آرام کرو۔ میں تمہیں کال کروں گا۔“

اتنا کہہ کر اُس نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ چند منٹ بعد اُس نے ایک پہاڑی غار کے پاس کاررو کی جہاں پہلے سے ایک کلاموجود تھی اور پہاڑی کے ارد گرد پانچ چھ نقاب پوش ٹہل رہے تھے۔ وہ انجن بند کر کے اُترا اور غار کے دہانے کی طرف بڑھا۔ غار کے باہر کڑے دو گن برداروں نے اُسے سلام کیا۔

**ٹویوٹا** کار مناسب رفتار سے اُدبے نیچے پتھر پلے راستے پر دوڑ رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے سنگ ہی کے جھڑے بھنچ ہوئے تھے اور وہ تصویر میں عمران کی ہڈیاں چبا رہا تھا جس کی وجہ سے اُسے پھول خان کو ہلاک کرنا پڑا تھا۔ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ عمران کو ایسی زک پہنچائے گا کہ عمران قیامت تک سر پر ہاتھ رکھ کر روتا رہے گا۔

دفعتاً کار کے ڈیش بورڈ کے خانے سے سیٹی کی مخصوص آواز اُبھری اور وہ چونک پڑا۔ اُس نے ڈیش بورڈ کے خانے میں ہاتھ ڈال کر اندر رکھے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر دیا۔ سیٹی کی آواز معدوم ہو گئی اور ایک انسانی آواز سنائی دینے لگی۔

”ہیلو باس — مارش کالنگ یو۔ اور۔“ مارش اُس کا ماتحت تھا۔

”میں انھیں بھی ہلاک کر دوں گا۔“ سنگ ہی بولا۔ ”ان لوگوں نے اب ہمارے کئی ساتھی ہلاک کیے ہیں۔“

پھر اُس نے میز پر ہاتھ مارا اور خود گہری پر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد ایک دمی اندر آیا۔ وہ نقاب پوش تھا۔

”عمران کی بہن کو کوٹھڑی سے نکال کر یہاں لے آؤ۔“ سنگ ہی نے اُسے حکم دیا۔

اور وہ آدمی واپس چلا گیا۔ تھریریا سنگ ہی کو گھورتی ہوئی بولی۔

”اجن مت بنو سنگ۔ انتقام کے چکر میں تم مشن کو طول دے رہے ہو۔“

”بروہ مت کرو۔ مشن اپنے وقت پر ضرور مکمل ہوگا۔ فی الحال تو مجھے راز سے عبرتناک انتقام لینا ہے۔ میں اُسے بتا دینا چاہتا ہوں کہ سنگ ی کا انتقام کتنا بھیانک ہوتا ہے۔“

تھریریا نے ہونٹ بیچ لیے۔ پھر اُس نے دو گلاسوں میں شراب انڈیلی اور سنگ ہی نے ایک گلاس اٹھالیا۔ تھریریا دوسرے سے ایک گھونٹ لے رہی۔

”کام کی کیا پوزیشن ہے۔ کوئی کامیابی ہوئی۔“

”ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ سنگ ہی بولا۔ ”تین دن سے کام شروع ہے اور آج ہمارے آدمی ذخیرے تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ بائیس نکالنے اور وطن بھیجنے کا مرحلہ باقی ہے۔ کل سے اس پر بھی عمل درآمد

”یہ کار کس کی ہے۔“ اُس نے گن برداروں سے پوچھا۔

”مادام تھریریا کی۔ وہ تین گھنٹے پہلے آئی تھیں اور اندر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔“ ایک آدمی نے جواب دیا۔

تھریریا کا نام سن کر وہ چونکا اور غار میں داخل ہو کر برآمدے کی طرف چل دیا۔ برآمدے کے ایک کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو اندر بیٹھی تھریریا اُسے دیکھ کر چونکی۔ پھر مسکرائی ہوئی بولی۔

”شاید مجھے یہاں دیکھ کر تمہیں حیرت ہوئی ہے۔“

”نہیں۔“ سنگ ہی مسکرایا۔ ”مگر تم یہاں کیسے پہنچ گئیں؟“

”تو کیا تم مجھ سے اس کی توقع نہیں رکھتے تھے کہ میں یہ جگہ تلاش کر سکوں گی۔“ تھریریا نے ہنس کر کہا۔ ”بہر حال تم سناؤ۔ تمہارا اہلیہ کافی بگڑا ہوا ہے۔“

”ہاں۔“ عمران سے ٹکراؤ ہو گیا تھا۔ سنگ ہی نے کہا۔

اور تفصیل سے پورا واقعہ سننے کے بعد غصیلے لہجے میں بولا۔

”اب میں اُس کی بہن سے اپنی ناکامی کا انتقام لوں گا۔“

”میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔“ تھریریا نے سختی سے کہا۔

وہ بے گناہ ہے۔“

”مگر وہ عمران کی بہن ہے۔“ سنگ ہی عزایا۔ ”میں اُس کے ٹکڑے لے کر ڈالوں گا۔“

”اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ تم اُس کے گرفتار شدہ دو ساتھیوں کو قتل کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“



شروع ہو جائے گا۔“

اتنے میں دروازہ کھلا اور عمران کی بہن ثریا اندر داخل ہوئی۔ اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ لباس میلہ تھا اور آنکھیں رو رو کر سو جی ہوئی تھیں۔ اُس نے حیرت سے تھریسا اور سنگ ہی کی طرف دیکھا۔ پھر غصیلے لہجے میں بولی۔  
”تم لوگ کون ہو اور مجھے کیوں قید کر رکھا ہے۔؟“

”خاموش رہو مس ثریا۔“ سنگ ہی عزایا۔ ”دوبارہ اس لہجے میں بات کی تو پچھتاؤ گی۔“

پھر وہ نقاب پوش گن بردار سے تحکمانہ لہجے میں بولا۔ ”سیکریٹ سروس کے دونوں ممبروں کو بھی لے آؤ۔“ مختار رہنا۔

نقاب پوش باہر نکل گیا۔ ثریا نے نفرت سے سنگ ہی کو گھورتے ہوئے کہا۔

”انگریز کتے۔“ میں پوچھتی ہوں تم لوگوں نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے۔ جانتے ہو میں کون ہوں۔؟

”اجتنی طرح جانتا ہوں۔ تم اُس احمق عمران کی بہن ہو جو تمہاری زندگی اور عزت بچانے کے لیے تین دن سے ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔ اُسے تم سے زیادہ پر و فیہر بقراط کی نوٹ بک عزیز ہے۔ ورنہ وہ اب تک نوٹ بک میرے حوالے کر کے تمہیں یہاں سے بے جا چکا ہوتا۔“

تھریسا خاموشی سے اُن دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ اور یہ فیصلہ کرنے میں مصروف تھی کہ اس موقع پر اُسے کیا کرنا چاہیے۔ ثریا غصے سے کانپتی ہوئی کہہ رہی

تھی۔

”خبیث کے بچے۔“ میرا بھائی عظیم انسان ہے۔ میں جانتی ہوں وہ ایک بہن کی عزت بچانے کی بجائے وطن کی تمام بہنوں کی آبرو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ تم اُسے بلیک میل کرنا چاہتے ہو لیکن وہ تم جیسے بلیک میلروں کی صرف گردنیں توڑنا جانتا ہے۔“

”مگر وہ میرے مقابلے میں اب تک حقیر جو ثابت ہوا ہے۔“ سنگ ہی نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ”سنگ ہی کے نام سے تمام دُنیا کے جاسوس لرزتے ہیں تو عمران کس باغ کی مولیٰ ہے۔ کیوں تھریسا۔؟“ اُس نے اتنی ہی انداز میں تھریسا کی طرف دیکھا اور تھریسا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی مگر اس کا نام سن کر ثریا بے اختیار چونک پڑی۔ پھر جوشیلے لہجے میں بولی۔

”سنگ ہی۔“ تم وہی بزدل کتے ہو جو بار بار میرے بھائی جان کے ہاتھوں بُری طرح ذلیل و خوار ہو کر فرار ہو چکے ہو۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اس بار تمہیں بھاگنے کا راستہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ اس بار تم نے کوئی عام جرم نہیں کیا بلکہ اُس عمران کی بہن کو اغوا کرنے کا بھیاں مجرم کیا ہے جو تم ایسے صحابیوں کو تڑپا تڑپا کر مارنے کا عادی ہے۔ اچھا ہوا تم نے اپنا نام بتا دیا۔ اب مجھے یقین ہے کہ بھائی جان ضرور یہاں پہنچیں گے۔“

”اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہو لڑکی۔“ سنگ ہی عزایا۔ ”اُس کا یہاں پہنچنا ناممکن ہے۔ اگر وہ کسی طرح یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو اُسے

تھاری یہاں لاش کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ کیونکہ میں تمہیں ہلاک کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔“

اسی لمحے دروازہ کھلا اور دو آدمی ہاتھ بلند کیے اندر آ گئے۔ وہ دونوں صدیقی نعمانی تھے۔ ثریا کو وہاں دیکھ کر انہیں حیرت کا جھٹکا لگا۔ پھر صدیقی کی تو کھوپڑی غصے سے گرم ہوتی چلی گئی۔

”یہ تمہارے بھائی عمران کے ساتھی اور ایک مٹو کے ماتحت ہیں۔“ سنگ ہی کے ہنس کر کہا۔ ”یہ بیچارے تمہاری تلاش میں کرتے تھے مگر خوفِ پھنس کر رہ گئے۔ مہلان جیسے حقیر جاسوس سنگ ہی کے پنجے سے نہیں کیے نکال سکتے ہیں۔“ صدیقی اور نعمانی سمجھ گئے کہ وہ سنگ ہی ہے۔ اس کی بات سن کر صدیقی کے جھڑپے بھینچ گئے۔

”زبان کو لگام دو سنگ ہی۔“ وہ خوشخوار لہجے میں بولا۔ ”تم نے ثریا سے اس یہودہ لہجے میں بات کرنے کی جرات کیسے کی عری سے۔“

عمران کی نہیں میری بہن ہے۔“

”تم چند لمحوں کے مہمان ہو بخوردار۔“ سنگ ہی مسکرایا۔ ”اپنی جان بچانے کی سوچو۔ ثریا کی بات مت کرو۔ ممکن ہے میری نیت بدل جائے اور میں عمران کی عزت سے کھیلنے کا پروگرام بنا لوں۔“

”کہو اس بند کدو سور کے بچے۔“ میں تمہارا خونخوار بنی جاؤں گا۔“ صدیقی چیخا۔

اور اس نے گن بردار کی پرواہ کیے بغیر سنگ ہی پر چھلانگ لگادی۔

## خاور

اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا۔ نقاب پوشوں کا ٹھکانا اس کے سامنے تھا۔ کشادہ دل نے والا پہاڑی غار اور اس کے باہر ٹھلنے نقاب پوشوں کے نر برداروں کو دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ وہی غار کیمپ کہلاتا ہے۔ غار کا پانچواں اس سے تقریباً تیس فٹ کے فاصلے پر تھا۔ دلانے کے باہر دو مسلح نقاب پوش مستعد کھڑے تھے جبکہ دو آدمی غار سے پندرہ بیس فٹ کے فاصلے پر دائیں باب اور دو بائیں جانب ٹھل رہے تھے۔ غار سے چند گز کے فاصلے پر ایک موٹر گاڑی مڑی تھی۔ غار کے اندر روشنی ہو رہی تھی اور وہ اندر سے کشادہ معلوم ہوتا تھا۔

وہ چند لمحوں تک غار کے ارد گرد کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر واپس پلٹا اور دبے ڈل واپس چل دیا۔ وہ عمران کو اپنی کامیابی کی اطلاع دینا چاہتا تھا۔ تقریباً

سوگزن کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک مناسب جگہ رکا اور وایچ ٹرانسمیٹر اُن کو باہمی چاہتا تھا کہ اچانک بائیں جانب کسی پتھر کے لڑھکنے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے پتھر قی سے اُس جانب گھوم کر دیکھا اور تیزی سے قریب پڑے پڑے سے پتھر کی آڑ میں دب گیا۔ اُس طرف سے دو آدمی ٹامی گئیں اُس کی طرف تانے آگے بڑھ رہے تھے۔ اُسے چھپتا دیکھ کر وہ رُک گئے۔

”اگر زندگی چاہتے ہو تو سامنے آ جاؤ۔“ اُن میں سے ایک غرایا۔  
اور خاور نے اُس کی آواز سے اُسے شناخت کر لیا۔ وہ وہی تھا جس نے خود کو نقاب پوش محافظوں کا انچارج بتایا تھا۔ خاور نے اُس کی دھمکی سُن کر ایک لمحہ کے لیے سوچا۔ وہ ہنگامہ نہیں چاہتا تھا اس طرح کوئی بھی چل سکتی تھی اور فائرنگ کی آواز سُن کر کیمپ کی طرف سے مزید محافظ دہاں آ سکتے تھے۔ لیکن وہ گرفتار بھی نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس طرح وہ عمران کو کیمپ کے بارے میں رپورٹ دینے سے رہ جاتا۔

”سنا نہیں تم نے۔“ انچارج کی دوبارہ غراہٹ سنائی دی۔ ”ہاتھ بلند کر کے سامنے آ جاؤ۔“

خاور آہستہ آہستہ پیٹ کے بل پیچھے کی جانب سر کرنے لگا۔ پتھر کی آڑ میں ہونے کے سبب وہ انہیں نظر نہیں آ سکتا تھا۔ عقب میں ایک چٹان تھی وہ چٹان کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اُن دونوں میں سے ایک نے ٹارچ جلا کر اُس کی طرف روشنی پھینکی اور خاور نے پلٹ کر چٹان کی آڑ میں پھلانگ لگا دی۔ ٹھیک اسی لمحے دوسرے کی ٹامی گن نے قہقہہ لگایا مگر گولیاں راستے میں پڑے۔

پتھر سے ٹکرا کر رہ گئیں اور خاور چٹان کی آڑ میں محفوظ ہو گیا۔ مگر وہاں رکنے کی بجائے وہ دبے پاؤں تیزی سے بائیں جانب بڑھتا چلا گیا۔ پتھروں اور چٹانوں کی آڑ لیتا ہوا وہ اُن دونوں کے عقب میں پہنچنے کی کوشش کرنے لگا جو ٹارچ روشن کیے سیدھے بڑھ رہے تھے۔

چند لمحوں بعد پوزیشن یہ ہو گئی کہ وہ خاور کی تلاش میں شمال کی جانب بڑھ گئے اور خاور گھوم کر جنوبی سمت میں واپس اُس جگہ پہنچ گیا جہاں سے ایک نقاب پوش نے اُس پر فائرنگ کی تھی۔ وہ رکنے کی بجائے جنوبی سمت میں بڑھتا رہا تھا کہ اُن لوگوں سے زیادہ دُور پہنچ جائے۔ چند منٹ بعد وہ ایک مناسب جگہ رکا اور وایچ ٹرانسمیٹر پر عمران سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

”ہیلو عمران صاحب — خاور کالنگ اودر۔“

”پہلے سے زیادہ اودر ہو چکا ہوں پیارے۔“ عمران کی احمقانہ آواز

سنائی دی۔ ”تم سناؤ کیا تیرا مارا ہے۔؟“

”میں نے کیمپ تلاش کر لیا ہے۔“ عمران کا لہجہ مسرت سے

بریز تھا۔ ”جی چاہتا ہے تمہارا اُمنہ چوم لوں۔“

”مجھے تو بخشنے — کسی لونڈیا سے رجوع فرمائیں۔“ خاور ہنسا۔  
”ٹھیک ہے۔ بخش دیا۔ اب ذرا اُس کا ناک و نقشہ بھی بیان کر دو۔“  
ران نے کہا۔

”کس کا — لونڈیا کا —؟“ خاور نے پوچھا۔

”کمرے

”اچھی ہوتی ہے۔“ عمران غرایا۔ ”میں کیمپ کی بات کر رہا ہوں۔“  
خاور مسکرایا اور کیمپ کا محل وقوع بتانے لگا۔ اُس کے خاموش ہونے پر  
عمران نے اُسے ہدایات دیں اور رابطہ منقطع کر دیا۔ خاور نے اطمینان کا سانس  
لیتے ہوئے وائچ ٹرانسمیٹر آف کیا اور دوبارہ کیمپ کی طرف چل دیا۔ عمران سے  
بات چیت کے دوران اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ وہ اس وقت  
محافظوں کے لباس میں تھا اور نقاب بھی چہرے پر لگایا ہوا تھا۔ اس جیلے میں  
اُسے انچارج اور اُس کے ساتھی سے چھپنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے تھی  
اس طرح اُس نے خود ہی اُن کی نگاہوں میں مشکوک کر دیا تھا۔ بہر حال  
اب عمران کی ہدایت پر وہ اس جیلے سے نائڈ اٹھانا چاہتا تھا۔ عمران نے اُسے  
کیمپ میں داخل ہونے کی ہدایت کی تھی۔

جلد ہی وہ کیمپ کے قریب پہنچ گیا۔ ٹھیک اسی لمحے جنوبی سمت سے  
کسی گاڑی کے انجن کا شور ابھرنے لگا۔ اُس نے چونک کر اُس سمت دیکھا۔  
اُفتی پر اُس گاڑی کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ اُس کی لمحہ بہ لمحہ قریب آتی آواز سے ظاہر  
تھا کہ وہ کیمپ کی طرف ہی آ رہی ہے۔ خاور کے اندازے کے مطابق وہ ابھی  
کم از کم ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ وہ جلد ہی سے پلٹ کر کچھ دُور آیا اور  
وائچ ٹرانسمیٹر پر عمران سے رابطہ قائم کر کے اُس گاڑی کی آمد کی اطلاع دینے  
وہ بعد دوبارہ کیمپ کی طرف چل دیا۔ پہاڑی غار کے سامنے ایک چٹان کی آڑ  
اُس کی کردہ اُس گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔  
ٹھیک چھ دیر بعد گاڑی کی روشنیاں ایک پہاڑی کی آڑ سے برآمد ہوئیں وہ ایک

کار تھی اور اُس کی ہیڈ لائٹس کی بجائے صرف چھوٹی بتیاں روشن تھیں۔ جلد  
ہی وہ قریب آ پہنچی۔ غار کے قریب پہنچ کر کار کی اور انجن بند کر کے اُس کا  
ڈرائیور اُتر آیا۔ وہ دراز قد شخص تھا۔ وہ غار کے دہانے کی طرف بڑھا تو وہاں کھڑے  
نقاب پوشوں نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔ کار والے نے اُن سے کوئی بات کی اور  
غار میں داخل ہو گیا۔

خاور ایک پھر بابہر عقب کی جانب چل دیا۔ کچھ دُور کر اُس نے وائچ ٹرانسمیٹر  
پر عمران کو کار والے دراز قد کے بارے میں بتایا اور عمران کی ہدایت سن کر  
وائچ ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ پھر وہ دائیں جانب بڑھا اور چھوٹا سا چمکے گاٹ کر اُس  
راستے پر آ گیا جو غار کی طرف جاتا تھا۔ وہ اطمینان سے ٹھہرتا ہوا غار کی طرف  
بڑھنے لگا۔ راستے میں کھڑے دو نقاب پوش اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ خاور  
لا پرواہی سے اُن کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ غار کے دہانے پر پہنچ کر اُس  
نے جیب سے سگریٹ سٹیک نکالا جو ایک مرنے والے نقاب پوش کے لباس  
کی تلاش لینے پر اُس کے ہاتھ آیا تھا۔ ایک سگریٹ نکال کر سٹیک واپس  
جیب میں رکھتا اور کنکھنوں سے دہانے کھڑے گن برداروں کو دیکھتا ہوا وہ  
غار میں داخل ہو گیا۔ غار کے دہانے کی اندرونی جانب بھی دو گن بردار کھڑے  
تھے۔ اُنھوں نے اُسے دیکھا مگر توجہ نہ دی۔ خاور بھی اطمینان سے برآمدے  
کی طرف بڑھنے لگا۔ ٹھیک اسی لمحے اُس نے برآمدے کی دوسری جانب سے  
صدیق اور نعمانی کو ہاتھ باندھ کر برآمد ہوتے دیکھا۔ اُن کے عقب میں ایک گن بردار  
نن تانے چل رہا تھا۔ خاور رُک گیا۔ وہ تینوں دائیں جانب کے ایک کمرے

میں داخل ہو گئے۔ خادرنے دوبارہ آگے بڑھتے ہوئے کنکھویوں سے دہانے کی طرف دیکھا۔ وہاں کھڑے گن بردار اُسی کی جانب دیکھ رہے تھے۔ وہ برآمدے میں داخل ہوا اور کمرے کے سامنے سے گزر کر کونے میں چلا گیا۔ وہاں سے دہانے پر کھڑے محافظ نظر نہیں آتے تھے۔ وہ غور سے کمرے سے ابھرنے والی آدازیں سننے لگا۔

تنویر اور چولان احتیاط سے قدم اٹھاتے ہوئے اُس طرف بڑھ رہے تھے جس طرف براؤن نامی نقاب پوش اپنے ایک بے ہوش ساتھی کو اٹھا کر گیا تھا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹہ تک چلتے رہے۔ اس دورانے اُسفوں نے اندازاً تین میل کا فاصلہ طے کیا مگر اُسفیں راستے میں کہیں بھی نقاب پوش کا ٹھکانا نظر آیا۔ چل چل اُن کی ٹانگیں درد کرنے لگیں۔

”سجائے ان منگوں کا کہاں ٹھکانا ہے؟“ تنویر تھک کر ایک اُوپنے سے پتھر پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”شاید ہم غلط سمت نکل آئے ہیں۔“ چولان نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

”یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو۔“ تنویر نے چونک کر پوچھا۔

”ہم نے اندازاً تین میل کا فاصلہ طے کیا ہے۔“ چوہان مسکرا کر بولا۔  
”اگر فاصلہ ان لوگوں کی کہیں گاہ اتنے یا اس سے زیادہ فاصلہ پر ہوتی تو براؤن اپنے  
ساتھی کو کندھے پر لا کر نہ جاتا۔“

”ہاں — یہ بات تو ہے۔“ تنویر سوچتا ہوا بولا۔

”ہمیں واپس چلنا چاہیئے۔ اگر راستے میں کوئی نقاب پوش مل گیا  
تو اُس پر قابو پا کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔“ چوہان  
نے کہا۔

”اچھا — چند منٹ سانس تو لینے دو۔“ تنویر سگریٹ سلگاتا

ہوا بولا۔

اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ سگریٹ پینے کے بعد وہ واپس  
چل دیے۔ تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ سانس کے لیے  
ایک جگہ رُکے جہاں کسی گاڑی کا شور سنائی دینے لگا۔ چوہان نے سمت کا  
انمازہ لگایا اور تنویر سے بولا۔

”آؤ — ہم اس آواز کی سمت سفر کرتے ہیں۔“

تنویر اُس کے ساتھ شمال کی جانب چل دیا۔ گاڑی کی آواز اُسی سمت  
آہستہ آہستہ معدوم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ رُکے بغیر اُسی سمت میں  
بڑھتے رہے۔ پندرہ منٹ بعد وہ ایک کشادہ راستے پر جا پہنچے۔ اور پھر  
اُس راستے کے ساتھ ساتھ چٹانوں کی آڑ لیتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ پانچ  
منٹ بعد انھیں کچھ فاصلے پر دو آدمی ٹھہکتے نظر آئے۔ وہ راستے کے دائیں

جانب باتیں کرتے ہوئے اُن کی سمت ہی بڑھ رہے تھے۔  
”کیوں نہ ان پر قابو پا کر ان کی وردیاں حاصل کی جائیں۔“ چوہان نے  
تنویر سے سرگوشی کی۔

تنویر نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ دونوں راستے کے کنارے ایک چٹان  
کی آڑ میں رُکے ہوئے تھے۔ دونوں نقاب پوش باتیں کرتے ہوئے چٹان کے  
قریب سے گزرنے لگے۔ اسی لمحے تنویر اور چوہان نے آڑ سے نکل کر اُن  
کے سینوں سے ٹامی گنیں لگا دیں۔ وہ دونوں نقاب پوش اپنی جگہ ساکت ہو کر  
رہ گئے۔

”ہاتھ بلند کر لو ورنہ جہنم پہنچا دوں گا۔“ تنویر آہستہ سے غزایا۔

اُن دونوں نے ہاتھ بلند کر لیے۔ اُن کی ٹامی گنیں اُن کے شانوں سے  
جھول رہی تھیں۔ چوہان نے تنویر کو مخصوص اشارہ کیا اور تنویر گھوم کر اُن  
کے عقب میں پہنچ گیا۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے ایک آدمی کے سر پر گن کا  
کندہ رسید کر دیا۔ وہ کراہتا ہوا اگر اہی تھا کہ دوسرے نے تنویر کی طرف  
پلٹنے کی کوشش کی اور اسی لمحے چوہان نے عقب سے اُس کے سر پر گن کا کندہ  
رسید کر دیا۔ وہ بھی کراہتا ہوا اگر گیا۔ وہ دونوں بیہوش ہو چکے تھے۔ تنویر اور  
چوہان انھیں گھسیٹ کر چٹان کے پیچھے لے آئے۔ پھر اُن کی مخصوص وردیاں  
اُتار کر پہننے میں انھیں ایک منٹ لگا۔ پھر سے ہر سیاہ نقاب لگا کر وہ چٹان  
کی آڑ سے نکلے اور تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔

پانچ منٹ بعد وہ ایک بلند پہاڑی کے قریب جا پہنچے۔ پہاڑی کے نیچے

دو گاڑیاں کھڑی تھیں اور راستے میں دو نقاب پوش ٹہل رہے تھے جبکہ دو آدمی پہاڑی کے پاس کھڑے تھے۔ تنویر اور چوہان نے رفتار کم کر دی اور اطمینان سے آگے بڑھنے لگے۔ وہ دونوں نقاب پوشوں کے قریب سے گزرے اور نقاب پوشوں نے انہیں نہ روکا۔ یقیناً وہ انہیں اپنا ساتھی سمجھ رہے تھے۔ پہاڑی دیوار میں ایک غار کا دہانہ نظر آ رہا تھا جس کے باہر دو نقاب پوش کھڑے تھے وہ دہانے کے قریب پہنچے تو وہاں کھڑے نقاب پوشوں میں سے ایک بولا۔

”کیا بات ہے۔ ہتھاری ڈیوٹی ابھی ختم تو نہیں ہوئی۔“

”ہمیں اندر طلب کیا گیا ہے۔“ چوہان نے کھانٹتے ہوئے آواز بدل کر کہا۔

اور تنویر کے ساتھ غار میں داخل ہو گیا۔ غار میں بھی دو نقاب پوش کھڑے تھے۔ ٹھیک اسی لمحے برآمدے کی جانب سے ایک ہلکی سی چیخ ابھری اور وہ نقاب پوش چونک کر برآمدے کی طرف دیکھنے لگے۔ تنویر اور چوہان بھی چونکے تھے۔ کیونکہ وہ چیخ نسوانی تھی۔ اُنہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور تیزی سے برآمدے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

صدیقی نے چھلانگ لگائی اور سنگ ہی کو لیتا ہوا فرش پر آ رہا۔ عقب میں کھڑے گن بردار نے فوراً ہی نعمانی کی کمر سے گن کی نال لگا دی۔ سنگ ہی نے صدیقی کے پہلو میں مٹکا رسید کیا اور صدیقی دروے سے کراہتا ہوا اُس کے سینے سے بائیں جانب لٹھک گیا۔ سنگ ہی نے فرش سے اٹھنے کی کوشش کی مگر اسی لمحے صدیقی نے اُس کے پہلو میں لات رسید کی اور سنگ ہی بھی فرش پر لٹھک گیا۔ مگر اُس نے بھرتی سے اٹھ کر صدیقی کی پسلیوں میں ٹھوکر رسید کر دی۔ صدیقی کراہتے لگا۔

ٹھیک اسی لمحے دروازے کی طرف سے غراہٹ آمیز آواز ابھری۔

”ہینڈ زاپ۔“

گن بردار نے مڑنا چاہا مگر دروازے میں کھڑے نقاب پوش نے اُس کی

”اب دیکھوں گا تم لوگ کیا کرتے ہو۔“ سے ہاتھوں بے آبرو ہونے سے بچاتے ہو۔“ سنگ بھی نے کہا صدیقی کو امداد دے دے کہا۔  
 ”بکواس بندہ کرو ذلیل کرتے۔“ نریا سزا لی۔ ”میں تمہاری آنکھیں نکال لوں گی۔“

”سنگ ہی —“ دفعتاً تھریریا نصیلے لہجے میں بولی۔ ”میں تمہیں شریا کی عزت سے کھیلنے کی اجازت نہیں دوں گی۔“  
 ”گو یا تم اپنے محبوب کی بہن کی طرف دالی کر رہی ہو تھریریا۔“ سنگ ہی عزایا۔  
 ”یہی سمجھ لو —“ تھریریا بولی۔ ”بہر حال میں اس معصوم کو بے آبرو نہیں ہونے دوں گی۔“

”حالا کہ اس کے بھائی نے تمہیں کئی بار ذلیل و خوار کیا ہے۔“ سنگ ہی طنز یہ لہجے میں بولا۔ ”وہ تمہارے خون کا پیاسا ہے اور تم اُس کی بہن سے ہمدردی کر رہی ہو۔ نہیں۔ میں اپنا انتقام ضرور پورا کروں گا۔ تم مجھے نہیں روک سکتیں۔ مگر پہلے میں ان تینوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔“  
 ٹھیک اسی لمحے ایک سفید فام بوکھلایا ہوا اندر داخل ہوا۔ اُسے دیکھ کر سنگ ہی چونکا۔

”اوہ — تم کون ہو —“

”وہ شاہکار — جس کا صدیریل سے تقاضا تھا۔“ سفید فام احمقانہ

لہجے میں بولا۔ ”تم سے ملنے کو ہوں بے قرار۔ آگے لگ جا میرے پار —“  
 دکانوں کا تجھے اپنا پیار۔“

کر سے گن کی نال لگا دی۔ نعمانی اُس آواز کو پہچان چکا تھا۔ اُس نے پلٹ کر پیچھے کھڑے گن بردار سے اُس کی گن چھین کر سنگ ہی پر تان لی۔ تھریریا اور سنگ ہی سیرت سے اُس نقاب پوش کو دیکھنے لگے جو اُن کا ماتحت معلوم ہوتا تھا۔  
 ”کون ہو تم —“ سنگ ہی نے غر کر پوچھا۔

”خاور —“ مگر تم ہاتھ بلند کر لو۔“ نقاب پوش اپنا نام بتا کر عزایا۔  
 ”ہوں — تو تم ہمارے آدمیوں کے بھیس میں یہاں موجود تھے۔“

سنگ ہی نے دانت پیستے ہوئے کہا۔  
 اور ہاتھ بلند کر لیے۔ مگر دوسرے ہی لمحے اُس نے جھپٹ کر قریب کھڑی شریا کی گردن دبوچ لی اور شریا کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ سنگ ہی اُس کی پشت پر آیا اور اُس کی گردن کے گرد بازو لپیٹتا ہوا بولا۔  
 ”گن پھینک دو خاور — ورنہ شریا کی گردن توڑ دوں گا۔“

اُس کے لہجے میں چھپی درندگی محسوس کر کے خاور اور نعمانی نے گنیں پھینک دیں۔ سنگ ہی کے ماتحت نے ایک گن اٹھا کر اُن پر تان لی اور انہیں ہاتھ بلند کرنے کا حکم دیا۔ صدیقی، نعمانی اور خاور نے ہاتھ بلند کر لیے۔ تب سنگ ہی نے شریا کی گردن چھوڑی اور جیب سے ریوا لور نکال کر صدیقی کو کور کر لیا۔ اسی لمحے دو نقاب پوش محافظ اندر داخل ہوئے۔

”انہیں کور کر لو —“ سنگ ہی نے آنے والوں کو حکم دیا۔ ”اگر یہ کوئی حرکت کریں تو گولی مار دینا۔“  
 دونوں نقاب پوشوں نے خاور اور نعمانی کو کور کر لیا۔ تھریریا خاموش بیٹھی تھی۔



اس کی آواز سن کر سب لوگ بے اختیار اچھل پڑے۔ وہ آواز بلاشبہ  
عمران کی تھی۔

”سجائی جان —“ ثریا غشی سے سختی ہوئی عمران کی طرف ہنسی۔  
اور اُس کے سینے سے لپٹ کر سکنے لگی۔ سنگ ہی خوشحال لگا ہوں سے  
عمران کو گھور رہا تھا۔

”مت روٹیا — میرے میتے جی سنگ ہی جیسے حرامی تھیں ہاتھ بھی  
نہیں لگا سکتے۔“ عمران جبرے بھینچتا ہوا بولا۔  
”کبواسے بند کرو جیتجے —“ سنگ ہی غزایا۔ ”تم میں سے کوئی  
مجھے یہاں سے زندہ نہیں جاسکے گا۔“

”اس غلط فہمی میں نہ پہننا بچا ولد الحرام۔“ عمران اُسے گھورتا ہوا بولا۔  
”متھارے باہر موجود تمام ساتھی خاموش رہو اور دل سے ختم کیے جا چکے ہیں۔“  
”اوہ —“ سنگ ہی کے جبرے بھینچ گئے۔ پھر وہ نقاب پوشوں  
سے بولا۔ ”اے کور کر لو۔“

جواب میں دروازے کے پاس کھڑے دو نقاب پوشوں میں سے ایک نے  
تیسرے نقاب پوش کی کمرے گن کی نال لگا دی اور دوسرے نے سنگ ہی پر گن  
تان لی۔ اس پر تھمر لیا نے حیرت سے بلکیں جھپکائیں۔

”اوہ — تم بھی عمران کے ساتھی ہو —“ سنگ — ہی غزایا۔

”رہاں خارش زدہ کیتا کے بچتے۔“ ایک نقاب پوش غصیلے لہجے میں بولا۔  
اور اُس نے چہرے سے نقاب اتار دیا۔ وہ تنویر تھا۔ دوسرے نے

بھی نقاب اتار دینے کا جو کر چوہاں تھا۔

”اب کہو حرامی بچا —“ عمران نے جبرے بھینچ کر ثریا کو ایک طرف  
بٹھاتا ہوا بولا۔ ”زندہ تم نہیں رہو گے یا ہم۔“

سنگ نے ہی دانت پیستے ہوئے عمران پر چھلانگ لگا دی۔ عمران نے اُسے  
ہاتھوں پر سنبھالا اور ایک مٹکا اُس کے جبرے پر رسید کر دیا۔ سنگ ہی کو نے  
میں جاگرا۔

”ذیل انسان — میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ عمران اُس کی  
طرف بڑھتا ہوا درنگی آئینے لہجے میں بولا۔ ”تم نے میری بہن کو ہاتھ لگانے کے  
جرات کیسے کی تھی جبکہ تمہیں معلوم تھا کہ ثریا کا سجائی ابھی زندہ ہے جو اُس کی  
خاطر ساری دنیا کو تباہ کر سکتا ہے۔ بولو۔“

اُس نے سنگ ہی کے پیلوں میں ٹھوکر رسید کی اور سنگ ہی خود کو بچانے کے لیے  
کروٹ بدل گیا۔ مگر عمران سبے سیرا بدل کر دوبارہ ٹھوکر رسید کر دی۔ ضرب سنگ  
ہی کی پیلوں میں گئی اور وہ کراہنے لگا۔ مگر عمران نے پاؤں نہ روکا۔ تمام لوگ  
خاموش کھڑے عمران کو دیکھ رہے تھے جو غضب ناک بیٹریا معلوم ہو رہا تھا۔ اُس  
کی آنکھوں سے قہر کی چنگاریاں برس رہی تھیں اور چہرے پر کسی خوفی درندے  
کی سی درنگی چھائی ہوئی تھی۔ وہ سنگ ہی کو ٹھوکر رسید کر رہا تھا۔ اور کرے  
میں سنگ ہی کی کراہیں گونج رہی تھیں۔

دفعتاً اُس کا داؤ چل گیا اور اُس نے عمران کا پاؤں پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔  
عمران پشت کے بل گرا اور سنگ ہی نے اُٹھ کر یکدم دروازے کی طرف چھلانگ

لگا دی۔ چوہان اور تنویر کو اُس کی توقع نہیں تھی۔ وہ بوکھلا کر ایک طرف ہٹ گئے اور سنگ ہی کرے سے نکلتا چلا گیا۔ عمران اُٹھ کر اُس کے پیچھے پیکا اور دوسرے ممبرز بھی باہر نکل آئے۔ سنگ ہی غار کے دہانے سے باہر جا رہا تھا۔ دہانے کے اندر دونقاب پوشوں کی لاشیں پڑی تھیں۔

عمران نے دہانے کی طرف دوڑ لگا دی۔ سنگ ہی غار سے نکلا ہی تھا کہ باہر کھڑے جوزف نے اُسے دیکھ کر اُس پر چھلانگ لگائی اور دونوں زمین پر آ رہے۔ جوزف نے پھرتی سے اُٹھ کر سنگ ہی کی پیاسوں میں ٹھوکر رسید کی اور سنگ ہی اٹھنے کی کوشش میں دوبارہ گر پڑا۔ صفدر دائیں جانب کھڑا تھا۔ اُس نے سنگ ہی پر ریوالتان لیا تھا۔ اسی لمحے عمران دوڑتا ہوا باہر آیا اور اُسے دیکھ کر سنگ ہی نے اُٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی۔

مگر صفدر کے ریوالتان نے شعلہ اگلا اور سنگ ہی کے بازو میں گولی اُتر گئی۔ وہ گر پڑا۔ جوزف اُس کی طرف جھپٹا ہی تھا کہ عمران چیخا۔

”ہٹ جاؤ جوزف۔ آج عمران بہ قبالہ سنگ ہی کا تماشہ دیکھو۔ یہ میرا شکار ہے۔“

سنگ ہی نے اُٹھ کر دوبارہ بھاگنے کی کوشش کی مگر اسی لمحے عمران نے طویل جست لگائی اور اُٹھتا ہوا اُس پر آ پڑا۔ دونوں زمین پر گرے۔ مگر سنگ ہی کسی چکنی مچلی کی مانند عمران کے نیچے سے نکل گیا۔ عمران نے فوراً کر دھکے لے کر اُس کا پاؤں پکڑا اور ایک جھٹکے سے کھینچ ڈالا۔ سنگ ہی پشت کے بل گرا اور عمران اُٹھ کر اُس کے سینے پر سوار ہو گیا۔

”میں تمہیں اس بار فرار نہ ہونے دوں گا چچا ولد الحرام۔“ وہ سنگ ہی کے چہرے پر گھونٹے برساتا ہوا بولا۔ ”اس بات تم نے کوئی عام جرم نہیں کیا بلکہ ثریا کو اغوا کیا ہے اور ثریا مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے۔ تم نے میری مصوم بہن کو اذیت پہنچائی ہے۔ میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔“

عمران کے لہجے میں آتش فشاں دھک رہا تھا۔ چوہان، تنویر، خاور، صدیقی اور نعمانی وزیدہ لگا ہوں سے عمران کی طرف دیکھ رہے تھے۔ غار کے دہانے سے آتی ہوئی روشنی میں اُس کا چہرہ کسی آدم خور درندے کی مانند نظر آ رہا تھا۔ سنگ ہی کی کراہیں چیخوں میں بدلتی جا رہی تھیں۔ دفعتاً اُس نے اپنے ایک ہاتھ سے عمران کے بال پکڑ کر جھٹکا دیا اور عمران اُس کے سینے سے اُتر کر اُس کے پیلو میں آگرا۔ سنگ ہی نے تیزی سے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے عمران کی گردن پر مٹکا رسید کیا مگر عمران کروٹ بدل چکا تھا۔ سنگ ہی کا ہاتھ زمین پر پڑا اور عمران کے اُٹھ کر اُسے ٹھوکر دینے پر رکھ لیا۔

پھر سنگ ہی کو سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ عمران نے اُس پر ٹھوکر دینے کی بوچھاڑ کر دی۔ وہ پختہ سے بدل بدل کر سنگ ہی کے جسم کو نشانہ بنارہا تھا اور پہاڑیاں سنگ ہی کی اذیت ناک چیخوں سے گونج رہی تھیں۔ چند لمحوں میں ہی اُس کی پنجھیں دم توڑنے لگیں اور وہ بیہوش ہوتا چلا گیا مگر عمران کے پاؤں نہڑ کے۔ وہ مسلسل سنگ ہی کے بیہوش جسم پر ٹھوکر دینے لگا۔

”بس کریں بھائی جان۔“ دفعتاً ثریا نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

”نجیٹ بیہوش ہو چکا ہے۔“

اُس کی آواز سن کر عمران کو گریبا ہوش آگیا۔ اُس نے پاؤں روک کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور چیخا۔

”اوہ — تھریسا کو اندر چھوڑ آئے ہو“

ساتھ ہی اُس نے غار کی جانب دوڑ لگادی۔ اُس کے ساتھی بوکھلا گئے۔ کیونکہ وہ عمران کے پیچھے ہی غار سے نکل آئے تھے اور کسی کو تھریسا کا خیال نہیں رہا تھا۔ عمران غار میں داخل ہو کر دوڑتا ہوا کمرے میں پہنچا تو کمرہ خالی پڑا تھا۔ تھریسا غائب تھی۔ اُس نے تیزی سے باہر نکل کر دوسرا کمرہ اور راہ اسی کی تمام کوٹھڑیاں دیکھ ڈالیں مگر تھریسا کہیں نظر نہ آئی۔ یائس ہو کر وہ غار سے باہر نکل آیا۔ صفر درنگ ہی کو مضبوطی سے باندھ رہا تھا۔

”اچھو — تم نے اُسے نکل جانے دیا“ وہ غار، تنویر، چوہان نعمانی اور صدیقی پر برس پڑا۔

”وہ یہیں کہیں چھپی ہوگی۔ ہم اُسے تلاش کرتے ہیں۔“ چوہان نے بوکھلا کر کہا۔

”اب وہ بتائیں نہیں مل سکے گی۔“ عمران غصیلے لہجے میں بولا۔

”مجان جان — وہ اچھی عورت تھی۔“ ثریا بولی۔ ”اُس نے مجھے تنگ

ہی سے بچانے کی کوشش کی تھی۔“

”ٹھیک ہے۔ مگر وہ مجرم تھی اور میں اُسے رعایت نہیں دی جاسکتی۔“

عمران بولا ”متکاری حمایت کر کے اُس نے مجھ پر جوا احسان کیا ہے وہ اپنی جگہ مگر اس کا بدلہ اس طرح نہیں چکایا جاسکتا کہ اُسے چھوڑ دیا جائے۔“

پھر اُس نے غار کے باہر بڑی نقاب پوشوں کی لاشوں پر نظر ڈالی اور اپنے ساتھیوں سے بولا۔

”میں ایکسٹوسے تم لوگوں کی لاپرواہی اور غفلت کی مزور شکایت کروں گا۔“

”ہمیں معاف کر دیں عمران صاحب۔“ صدیقی نے آہستہ سے کہا۔ ”در اصل آپ کی سنگ ہی کے ساتھ سنسنی خیز لڑائی دیکھنے کے شوق میں ہم سے یہ حماقت ہوئی ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ مگر میں آئندہ یہ برداشت نہیں کروں گا تم تماشائی بن کر اپنے فرائض سے غافل ہو جاؤ۔ آؤ چلیں۔“

عمران نے منہ بنا کر کہا اور ثریا کا ہاتھ پکڑ کر وہاں کھڑی ایک کار کی طرف بڑھ گیا۔

جگانا مناسب نہ سمجھا۔

عمران نے اُس کے ہاتھ سے خطوط لے کر اُن پر سرسری نظر ڈالی اور چونک پڑا۔ اُن میں ایک ایسا لفظ بھی تھا جس پر نہ کوئی ٹکٹ تھا اور نہ پوسٹ آفس کی مہر۔ مکمل ایڈریس کی بجائے صرف ”علی عمران“ لکھا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ کوئی شخص وہ لفظ جس میں ڈال گیا تھا۔ عمران نے لفظ چاک کر کے اُس میں رکھا پر چونکہ کالا۔ مگر اُس پر نظر پڑتے ہی اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ لکھا تھا۔

”ڈیر عمران — سلامت رہو۔ مجھے افسوس ہے کہ تم سے آخری ملاقات نہ کر سکی۔ وجہ تم بھی جانتے ہو۔ سنگ ہی کی گرفتاری کے بعد ایسے حالات نہیں رہے کہ میں اپنے مشن میں کامیابی کی امید رکھوں۔ اس لیے ناکامی کا داغ لیے واپس زیر ولینڈ جا رہی ہوں۔ میں تمہیں ایک بار پھر اس بات کا یقین دلانا چاہتی ہوں کہ ثریا کے اغوا میں میری مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا اور میں نے کوشش کی تھی کہ سنگ ہی ثریا کو تمہارے حوالے کر دے مگر تم جانتے ہو وہ ضدی ہے۔ بہرہ مجھ پر غداری کا الزام لگا کر زیر ولینڈ کے حکمرانوں کو میرے خلاف کر سکا تھا۔ یہ بھی غداری ہوتی اگر میں اُسے جیل میں چھوڑ جاتی۔ چنانچہ میں نہ چاہنے کے باوجود اُسے ساتھ لے جا رہی ہوں۔ ممکن ہے آئندہ ملاقات ہلا رہو۔ اُس وقت تک کے لیے خدا حافظ!

نیچے تعریبا کا نام اور اُس کے مخصوص دستخط تھے۔ خط پڑھ کر عمران کی کھوپڑی گھوم گئی۔ اُس نے بہادر پور سے واپس آکر سنگ ہی کو فیاض کی تحویل

دوسرے دن شام کے پانچ بجے عمران دانش منزل جانے کے تیاری کر رہا تھا۔ اُس نے بیچشیت ایکسٹو چھبے ممبران کو کیس کی ضروری تفصیلات بتانے کے لیے دانش منزل میں طلب کیا تھا۔ دفعتاً سلیمان کمرے میں داخل ہوا۔ وہ فلیٹ کے باہر گئے جس سے آج کی ڈاک نکال کر لایا تھا۔

”کیا بات ہے۔“ عمران نے بالوں میں کنگھا کرتے ہوئے پوچھا۔  
 ”آج کی ڈاک“۔ سلیمان نے کہا۔ ”کل کی ڈاک بھی پڑی ہے۔“  
 ”ابے گھاڑ — یہ ڈاک کا وقت ہے۔ کیا سارا دن سوئے رہے تھے۔“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”میں تو جاگ رہا تھا آپ ہی سو رہے تھے صاحب — میں نے

میں دے دیا تھا اور فیاض نے اُسے سنٹرل جیل بھیج دیا تھا۔ مگر تقریباً اپنے خط میں لکھا تھا کہ وہ سنگ ہی کو ساتھ لے جا رہی ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ کسی طرح سنگ ہی کو جیل سے نکال لے جانے میں کامیاب رہی تھی۔

عمران فوراً میز کی طرف لپکا اور فون کا ریسیور اٹھا کر کمپین فیاض کے نمبر ملانے لگا۔

”ہیلو کمپین فیاض اسپیکنگ۔“ سلسلے طے پر آواز آئی۔

”رات جس مجرم کو میں نے تمہارے حوالے کیا تھا وہ کہاں ہے؟“ عمران نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”کون؟“ سنگ ہی؟“ فیاض نے چونک کر پوچھا۔ ”وہ سنٹرل جیل میں قید ہے۔“

”مگر وہ اب وہاں نہیں ہوگا۔“ عمران نے جھڑے بیٹھتا ہوا بولا۔ ”وہ وہاں سے فرار ہو چکا ہے۔“

”اوہ — نہیں —“ فیاض حیرت سے چیخا۔

”تم جیل فون کر کے معلوم کرو۔ پھر مجھے بتانا۔“ عمران نے مُنہ بنا کر کہا۔

اور ریسیور رکھ دیا۔ دو منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ عمران نے ریسیور اٹھایا۔

”ہلس — عمران اسپیکنگ۔“

”تمہاری اطلاع درست ہے عمران۔“ فیاض کی پریشان سی آواز سنائی دی۔ ”نصف گھنٹہ پہلے وہ فرار ہوا تھا۔ اُس کی کوٹھڑی کی عقیبی دیوار میں

شکاف پڑا ہوا ہے۔ غالباً وہ اُسی طرف سے فرار ہوا ہے۔ جیل کے عملہ کو اُس کے فرار کا پانچ چھ منٹ پہلے علم ہوا ہے۔“

عمران نے دانت پیستے ہوئے ریسیور کریڈل پر سٹخ دیا۔ اُسے فیاض اور جیل کے عملہ پر تاؤ آ رہا تھا جن کی غفلت نے اُس کی ساری جدوجہد پر پانی پھیر دیا تھا۔ وہ چاہتا تو ایک ٹوک کی حیثیت سے کمپین فیاض کو اُس کے جہد سے علیحدہ کر دیتا تھا مگر اس کا بھی کوئی فائدہ نہ تھا۔

چند لمحوں بعد وہ فلیٹ سے نکلا اور کار میں بیٹھ کر دانش منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُسے ابھی بیک زبر کو اس کیس کے اہم نکات سے آگاہ کرنا تھا۔

اور شام کا کھانا رحمن صاحب کی کوٹھی پر کھانا تھا۔ رات کے آخری پہر جب بہادر پور سے وہ ٹریا کو لے کر کوٹھی پہنچا تو رحمن صاحب نے جذبات سے مغلوب ہو کر نہ صرف اُسے گلے لگایا تھا بلکہ اُس کی پیشانی بھی چومی تھی اور شریانے عمران سے وعدہ لیا تھا کہ رات کا کھانا وہ اُن کے ساتھ کھائے گا۔

وہ دانش منزل پہنچا تو کچاؤ مڈ میں جوزف سے ٹھہر گیا۔ اُس نے خواہ مخواہ دانت نکال دیے۔

”کیا بات ہے تو بے کی اولاد —“ اُس نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”بات۔ بات تو کوئی بھی نہیں ہے باس۔“ جوزف بوکھلا کر بولا۔

”پھر دانت کیوں نکال رہے تھے؟“ عمران نے اُنکھیں نکال کر پوچھا۔

”وہ دراصل مجھے رات کا واقعہ یاد آ گیا تھا۔“ جوزف بولا۔

”اوہ — کیا ہوا تھا رات کو؟“ عمران نے چمکنے ہوئے پوچھا۔

”آپ اور سنگ ہی کی لڑائی کافی دلچسپ تھی۔“ وہ مسکراتا ہوا بولا۔ ”آپ کے مقابلے میں سنگ ہی جیسا پھر تیل آدمی ایک منٹ بھی نہ جم کر لڑ سکا تھا۔“

”اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔“ عمران نے کہا۔ ”ہو جا میں بھر دو دو ہاتھ۔ عمران بمقابلہ جوزف دی گریٹ“

”مجھ پر تو رحم کریں باس۔“ جوزف بوکھا کر بولا۔ ”میں ابھی زندہ رہنا چاہتا ہوں۔“

اور عمران مسکراتا ہوا آپریشن روم کی طرف بڑھ گیا۔

پورے چھ بجے سیکرٹ سروس کے ارکان کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ عمران آپریشن روم میں ایک زیر روکے پاس بیٹھا اسکرین پر ممبران کو دیکھتا رہا۔ چھ بجے تک تمام ممبرز میٹنگ روم میں پہنچ گئے۔ تب عمران بھی آپریشن روم سے نکل آیا۔ میٹنگ ہال میں داخل ہوا تو اس کے چہرے پر حماقتوں کے ڈوگرے برس رہے تھے۔ تمام ممبرز اسے دیکھ کر بے اختیار مسکرانے لگے۔ عمران نے بلند آواز سے ”ہالو“ کا نعرہ بلند کیا اور آگے بڑھ کر صفدر کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔ صفدر کی دوسری جانب جولیا بیٹھی تھی۔

”عمران صاحب۔ تمہاریسا کیا بنا۔“ صفدر نے پوچھا۔

”وہ دغا دے کر نکل گئی ہے۔“ عمران ٹھنڈی سانس لیتا ہوا بولا۔

”اوہ۔ وہ حرافہ تمہارے ہاتھ سے بچ کر نکل گئی ہے۔“ جولیا نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔ مگر تم ابھی موجود ہو۔“ عمران نے کہا۔

”کیا مطلب۔“ جولیا نے اسے گھورا۔

”میرا مطلب ہے بقول کنفیو شس اگر کھو گئی ایک تمہاریسا تو کیا غم میرے سامنے دلہن اور باراتی اور بھی ہیں۔“

”بکواس بند کرو۔“ جولیا عزائی۔ ”میں بدتمیزی برداشت نہیں کروں گی۔“

”ہر ایک شادی سے پہلے یہی کہتی ہے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

اور جولیا غصے سے ہونٹ کاٹنے لگی۔ کیپٹن بابر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”عمران صاحب۔ آپ نے ہمیں خواہ مخواہ باراتی بنا ڈالا۔“

”اگر تمہارے پاس بینڈ باجے اور شہنائی ہوئی تو باراتی کی بجائے میراثی بنا دیتا۔ مگر مجبوری ہے۔“ عمران نے کندھے اچکاتے ہوئے احمقانہ لہجے میں کہا۔

”میراثی اور بھانڈ تو تم خود معلوم ہوتے ہو۔“ تنویر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”تو کیا تم یہاں مجھرا کرنے آئے ہو پیارے۔“ عمران نے پوچھا۔

اور تنویر ہلکا کر رہ گیا۔ دوسرے ممبرز ہنسنے لگے تھے۔ پھر تنویر کچھ کہنا ہی

چاہتا تھا کہ ہال میں لگے اسپیکر پر ایکسٹری محضوض آواز ابھرنے لگی۔

”ہیلو ممبرز۔“ تم کیس کی تفصیلات سننے کے لیے بے چین ہو گئے۔

”یس سر۔“ جولیا نے ٹوڈ بان لہجے میں کہا۔

”تمام واقعات تم لوگوں کے سامنے ہیں۔“ ایکسٹو کہنے لگا۔ ”میں یہاں

خاص خاص نکمتوں کی وضاحت کروں گا۔“

”جناب۔“ یہ کتنے کس لفظ کے ہوں گے۔“ چچ کے یاش کے۔“ عمران نے

نے احمقانہ لہجے میں پوچھا۔



”بکومت — خاموش بیٹھو۔“ ایکسٹو کی غراہٹ سنائی دی اور عمران بہم گیا۔

”سنگ ہی اور تھریسیا کو زیر ولینڈ سے دواہم مشن پر بھیجا گیا تھا پہلا مشن تھا پروفیسر بقرط سے ایک اہم سائنسی فارمولا کا حصول۔ کچھ دن پہلے پروفیسر بقرط کا اخبارات میں ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جس میں اُنہوں نے بتایا تھا کہ وہ ایک حیرت انگیز ایجاد پر کام کر رہے ہیں جو ایک ہفتہ تک مکمل ہوگی۔ گمراہیوں نے اُس کی تفصیل نہ بتائی۔ زیر ولینڈ کے مقامی ایجنٹوں نے زیر ولینڈ اس کی اطلاع بھیجی۔ پروفیسر بقرط کی ذہانت اور بین الاقوامی شہرت کے پیش نظر اُن لوگوں کو یقین تھا کہ اُن کی موجودہ ایجاد انتہائی اہم ہوگی۔ چنانچہ یہاں آکر سنگ ہی اور تھریسیا نے یہ چال چلی کہ تھریسیا نے مجھے اُلجھائے رکھا اور سنگ ہی خاموشی سے ایجاد کے چکر میں رہا۔ میں اور عمران تھریسیا کے چکر میں رہے اور سنگ ہی پروفیسر کی وہ نوٹ بک بھرانے میں کامیاب ہو گیا جس میں پروفیسر فارمولے لکھتا تھا۔ مگر عین وقت پر کیپٹن بابر کا سنگ ہی سے ٹکراؤ ہو گیا اور نوٹ بک کیپٹن بابر کے ہاتھ آگئی۔ وہ نوٹ بک حاصل کرنے کے لیے سنگ ہی کا عمران سے جنرل اسپتال میں خونی مقابلہ ہوا اور سنگ ہی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ مگر اس نے اُسی رات انتقاماً عمران کی بہن ثریا کو اُن کی کوٹھی سے اغوا کر لیا اور عمران کو دھمکی دی کہ وہ نوٹ بک اُس کے حوالے کر دے تو وہ ثریا کو واپس کر دے گا۔

یہاں سے سنگ ہی ثریا کو لے کر بہادر پور چلا گیا۔ اُس کا دوسرا مشن

جاری تھا۔ اور اُس نے سر دار پھول خان کو روپے کا لالچ دے کر زمر کی ایک کان کا سودا کر لیا جو حصہ سے بند پڑی تھی۔ مگر سنگ ہی اور تھریسیا وہاں سے زمر نہیں نکالنا چاہتے تھے۔ اصل میں وہ کان کی گہرائیوں سے یورینم نکالنا چاہتے تھے اور سر دار پھول خان سے ملے ہونے والے معاہدہ میں یہ بات شامل تھی کہ وہ ریاست کے حکمران اور پولیس وغیرہ کو اُس علاقے سے دُور رکھے گا جس علاقے میں وہ کان تھی۔ حکمران یہاں سے سنگ ہی کے ایک ساتھی کا تعاقب کرتا ہوا بہادر پور گیا مگر شہر سے باہر ہی اُس آدمی نے چوہان کو ہلاک کرنے کی کوشش کی اور خود غائب ہو گیا۔ بعد میں تنویر اور چوہان کو وہ بہادر پور کے شہر اڈے پھول خان کے ساتھ نظر آیا اور میں نے جی لیا کہ پھول خان کی نگرانی کے لیے بھیج دیا جہاں سنگ ہی کی ایک ساتھی مارہما پھول خان کی سیکرٹری بنی ہوئی تھی۔ عمران نے رانا تھور علی حسندوی کے روپ میں پھول خان سے پچھتر لاکھ کا سودا کیا تو پھول خان کے کلب میں سنگ ہی سے سودا کینسل کر دیا۔ عمران سنگ ہی پر قابو پانے کے لیے اُس وقت مائیکل جیکسن کے روپ میں اسٹیج پر ڈسکو ناچ دکھا رہا تھا۔ وہاں اُس نے سنگ ہی پر قابو پانے کی کوشش کی مگر وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ بعد کے حالات اور اُس کی گرفتاری کا تم لوگوں کو علم ہی ہے۔ لیکن کچھ دیر پہلے مجھے اطلاع ملی ہے کہ سنگ ہی سنٹرل جیل سے فرار ہو گیا ہے۔“

”اوہ —“ اس اطلاع پر تمام ممبران اُچھل پڑے۔

”اس کے فرار میں تھریسیا نے اُس کی مدد کی ہے اور عمران کو بھیجے گئے ایک رقعہ میں اُس نے بتایا ہے کہ وہ سنگ ہی کو آزاد کرانے کے زیر ولینڈ جا رہی ہے۔“

”سر — پروفیسر بقرط کی ایجاد کیسی تھی۔“ خاور نے ایک ٹوکے خاموش ہونے پر پوچھا۔

”سوری مسٹر خاور — یہ قومی راز ہے۔ کیونکہ فارمولا دو دن پہلے ہی میں وزرات دفاع کے حوالے کر چکا ہوں۔“

صرف اتنا جان لو کہ وہ ایک ایٹمی میزائل کا فارمولا تھا۔ خدا حافظ۔“  
ایک ٹوکے آواز آنا بند ہو گئی اور وہ سب عمران کی طرف متوجہ ہو گئے جس نے اٹھ کر مائیکل جیکسن کے انداز میں فرش پر تھرکنا شروع کر دیا تھا۔

---

ختم شد